علم کلام جدید کے
عالمی اثرات

(صرف احمدیوں کے لیئے)

جدید علمِ کلام کے عالمی اثرات

مولانا دوست محمد شاہد
مؤرخِ احمدیت

احمد اکیڈمی۔ ربوہ

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جدید علمِ کلام کے عالمی اثرات

ساقیٔ کوثر، نبی امّی سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی برکات کو اگر غیر محدود سمندر سے تشبیہہ دی جائے تو احمدیت کا جدید علمِ کلام اس سمندر کا محض ایک قطرہ ہے۔ جو پچھلی صدی میں ربّ العرش کی بارگاہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو عین اُس وقت عطا ہُوا جبکہ باطل تحریکیں ربع مسکون پر طوفان کی طرح چھا گئی تھیں۔ خدا نے چاہا کہ ان کا مقابلہ اسی ایک قطرہ سے کرکے دکھا دے اور اپنے سب بندوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تلے جمع کر دے۔ یہ آسمانی فیصلہ اُسی قادر و توانا خدا کا تھا جس نے ابابیل کے ہاتھوں اصحاب الفیل کو پاش پاش کیا، اپنے محبوبؐ کی خاطر مکڑی کے جالے کو ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ میں تبدیل کر دیا۔ اور چند سنگریزوں سے خوفناک آندھی پیدا کر دی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے پیش فرمودہ جدید علمِ کلام نے گزشتہ صدی میں اقوامِ عالم پر نہایت دُور رس اور زبردست اثرات ڈالے ہیں جو اصولی طور پر تین پہلوؤں پر مشتمل ہیں:۔

اوّل ۔ غیر شعوری اثرات

دوم ۔ عملی اثرات

سوم ۔ نظریاتی اثرات

غیر شعوری اثرات

یہ ربّانی سُنّت ہے کہ امام الزمان کے ظہور پر نوعِ انسانی میں مادّی، فکری اور روحانی قوتوں اور استعدادوں میں غیر معمولی تلاطم برپا ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :-

"جب دُنیا میں کوئی امام الزمان آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے۔ انتشارِ روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اُٹھتی ہیں۔ پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اس کو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ سے دینی تفقّہ کی استعداد رکھتا ہے اس کے تدبّر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو اُس کو تعبّد اور پرستش میں لذّت عطا کی جاتی ہے اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اس کو استدلال اور اتمام حجّت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشارِ روحانیت کا نتیجہ ہوتا ہے جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے اُترتی اور ہر ایک مستعد کے دل پر نازل ہوتی ہے!!

(ضرورت الامام صفحہ ۴-۵)

دَورِ حاضر میں جس عالمگیر شان کے ساتھ انتشارِ روحانیت و نورانیت ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اسلامی ممالک مثلاً مصر، شام، لُبنان، عمان،

ترکی، ایران اور برصغیر پاک و ہند میں تفسیر، حدیث، اسلامی قانون، کلام، تاریخِ اسلام اور سیرت النبی کے موضوعات پر شائع ہونے والا وسیع لٹریچر اس پر شاہدِ ناطق ہے۔

پاکستان کے نامور مفکر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ ڈائریکٹر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ پاکستان تحریر فرماتے ہیں :۔

> "یہ بیسویں صدی عیسوی ہر جگہ مسلمانوں کے لیئے نشأۃ ثانیہ کہیئے یا بیداری کا آغاز ہے۔ مسلمان انڈونیشیا سے لے کر مراکو تک اور افریقہ کے تاریک گوشوں میں بھی سیاسی اور علمی جدّ و جُہد کر رہے ہیں۔"
>
> (پندرہ روزہ "استقلال" لاہور۔ یکم مارچ ۱۹۵۸ء صاا)

امام الزمان کے غیر شعوری اثرات کی نمایاں جھلک ہمیں یورپ و امریکہ کی مادی دنیا میں بھی دکھلائی دیتی ہے اور یہ عجیب اور پُر اسرار بات ہے کہ تمام مشہورِ عالم موجد حضرت اقدس مسیح موعود کے عہد میں ہوئے اور آپ کی بعثت کی صدی ایجادات کی صدی ثابت ہوئی جسکے پیچھے یقیناً تصرّفِ الٰہی کا ہاتھ کارفرما ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں مستشرقین نے اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں حیرت انگیز کام کیا جس کا ایک شاندار نمونہ جامعہ عربیہ لیڈن کے پروفیسر الدکتور اے۔ ی۔ ونسنک کی کلید احادیث نبویؐ "المعجم المفهرس" ہے جو سات ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس دَور میں قریباً پچاس سے زیادہ مستشرقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کتابیں لکھیں۔ (رسالہ "نقوش" لاہور۔ رسولؐ نمبر جلد ۱۱ صفحہ ۵۵۱ تا ۵۶۰) علاوہ ازیں انہوں نے عربی کی قلمی کتابوں کے کیٹیلاگ مرتب کیئے، قرآن مجید کے تراجم کیئے اور ڈکشنری آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تدوین کر کے

تحقیق و تفحّص کے نئے دروازے کھول دیئے۔

پاکستان کے ایک فاضل اور محقّق جناب ڈاکٹر نثار احمد صاحب کے قلم سے اس کی مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :۔

"دَور (۱۹۰۰ تا ۱۹۲۵) تحریکِ استشراق کے عروج و کمال سے عبارت ہے۔ اس عہد میں تحریکِ استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا مستشرقین کے انداز و اطوار اگرچہ بدل گئے تاہم کیفیت و کمیّت دونوں اعتبار سے اُن کے اخلاف اپنے اسلاف پہ بازی لے گئے۔ چنانچہ :

(ا) کمیّت کا اندازہ تو اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ زیرِ بحث دَور میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی۔ اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے۔ مثلاً فرانس، اٹلی، انگلستان، اسپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سوئیڈن، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، روس، بلجیم، چیکوسلواکیہ، فن لینڈ وغیرہ اور امریکہ والے بھی شریک ہو گئے۔

(ب) کیفیت کے اعتبار سے مستشرقین نے تصنیف و تالیف کے ڈھیر لگا دیئے۔ ان کے مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کا دائرہ بھی محدود نہ رہا بلکہ عقائدِ اسلام، قرآن، حدیث، سُنّت، فقہ، اجتہاد، عرب اور اہلِ عرب اور احوالِ عرب، ترکوں عربوں کے تعلّقات، اسلام کی اصلیت، اسلامی تہذیب و تمدّن اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت و سوانح وغیرہ پر کثرت سے لکھا گیا۔ اس دَور میں مستشرقین کا معیارِ تحقیق و

استدلال بھی بلند ہوا اور تحقیق و جستجو اور تفتیش و تفحص میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا جو آج بھی باعثِ حیرت ہے۔ قدیم عربی مآخذ کی تلاش، مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت، آثار و اکتشافاتِ قدیمہ کا مطالعہ، کتابوں کی تصحیح و اشاعت، اسلامی تاریخی مآخذ کی ترتیب و تدوین، فہرستوں، اشاریوں اور تبویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری سرگرمیاں ان کی محنت و ریاضت، علم شناسی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہیں بلکہ یہ اُن کا مسلمانوں پر احسان ہے کہ اُن ہی کی کوششوں کے طفیل بہت سی نادر اور مفقود الخبر کتابیں مسلمانوں تک پھر سے پہنچیں اور متعارف ہوئیں۔" (رسالہ "نقوش" لاہور "رسول نمبر" جلد ۱۱ صفحہ ۱۵ شمارہ جنوری ۱۹۸۵ء۔ مدیر جناب محمد طفیل صاحب مرحوم ناشر ادارہ فروغ اُردو لاہور)

عملی اثرات

چودھویں صدی ہجری کے آغاز تک مسلمانانِ عالم خوابِ غفلت میں سو رہے تھے اور اُن پر مکمل جمود طاری تھا حتیٰ کہ پان اسلام ازم کے بانی سید جمال الدین افغانی جیسے عظیم قومی لیڈر (جنہیں شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مجدّد قرار دیا ہے) یہ نظریہ قائم کر چکے تھے کہ :-

"اذا اردنا ان ندعو احرار اوربة الیٰ دیننا فیجب علینا ان نقنعهم اولاً أننا لسنا مسلمین، فانّهم ینظرون الینا من خلال القرآن هٰکذا — ورفع کفیه وفرج بین اصابعهما فیرون وراءه اقواماً فشا فیهم الجهل والتخاذل والتواکل، فیقولون: لو کان هذا الکتاب حقاً مصلحاً لما کان اتباعه کما نریٰ"

("الوحی المحمدی" صفحہ ۲۳ - مولفہ علامہ سید رشید رضا مصری ناشر المکتب الاسلامی - بیروت - دمشق ۱۹۰۵ء)

یعنی اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم یورپ کے آزاد انسانوں کو اپنے مذہب کی دعوت دیں تو ہمارا فرض ہوگا کہ سب سے پہلے ہم انہیں قائل کر دیں کہ ہم **مسلمان نہیں** ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیں دیکھ کر قرآن کریم کو سمجھنا چاہتے ہیں (یہ کہہ کر آپ نے اپنی ہتھیلیوں کو اُٹھایا اور ان کی انگلیوں کو کشادہ کیا) وہ قرآن مجید کے پس منظر میں ایسی قوموں کو دیکھتے ہیں جن پر جہالت و ذلّت چھائی ہوئی ہے اور وہ خود اعتمادی کھو چکی ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ کتاب صداقت پر مبنی ہوتی اور اصلاح کرنے والی ہوتی تو اسکے

اتباع ایسے نہ ہوتے جیسا کہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ علامہ جمال الدین افغانی مسلمانوں کے دینی زوال کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے اخلاقی اقدار اس درجہ خراب ہو چکے ہیں کہ اصلاح کی کوئی امید نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر نئی مخلوق پیدا ہوتی اور نئے دَور کی ابتداء ہوتی اور اس وقت جو لوگ ہیں وہ سب مرجاتے صرف وہی زندہ رہتے جو بارہ سال سے کم عمر رکھتے ہیں۔ اور نئی تربیت میں اُن کا اُٹھان ہوتا جو اُن کو راہِ سلامت تک پہنچا دیتی۔ (مقام جمال الدین افغانی صفحہ ۸۸۔ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی طبع دوم مئی ۱۹۴۹ء)

اس ہوش رُبا اور مایوس کُن ماحول میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مطلعِ عالم پر نمودار ہوئے اور ربِّ ذوالجلال کے حکم سے جماعتِ احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ اور پیشگوئی فرمائی کہ:۔

"خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لیئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لیئے پیدا کرنا چاہا ہے۔۔۔۔۔ وہ جیسا کہ اُس نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزارہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا۔ وہ خود اس کی آبپاشی کریگا اور اس کو نشو و نما دے گا یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لیئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔"

(اشتہار ۴ر مارچ ۱۸۸۹ء)

نیز یورپ و امریکہ کے سعید الفطرت لوگوں کے دینی رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوشخبری دی کہ :-

"خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے"

(اشتہار ۷؍ دسمبر ۱۸۹۲ء مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر)

یہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے انقلاب آفرین اور جدید علم کلام ہی کا اعجاز ہے کہ اس نے ایک صدی کے اندر دینِ حق کے ایک کروڑ سے زیادہ ایسے فقید المثال فدائی اور شیدائی پیدا کر دیئے جن کا شعار ہی اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت الی اللہ ہے۔ اس کے برعکس رابطۂ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے "سعودی گزٹ" کو انٹرویو دیتے ہوئے کمال بے نیازی سے ارشاد فرمایا کہ ہمارا مشن غیر مسلموں کو مسلمان بنانا نہیں۔ دنیا میں پہلے ہی بہت مسلمان ہیں ہم اُن کا معیارِ زندگی بہتر بنانے میں مصروف ہیں۔ (اخبار امروز لاہور ۲۷؍ فروری ۱۹۸۴ء)

نئی دہلی کا ماہنامہ "الرسالہ" (اسلامی مرکز کا ترجمان) اپنی جولائی ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے :-

"عجیب بات ہے کہ پاکستان میں بے شمار اسلامی جماعتیں اور اسلامی تنظیمیں ہیں مگر غالباً کوئی ایک جماعت یا تنظیم ایسی نہیں ہے جس کے پروگرام میں یہاں کے غیر مسلموں تک اسلام پہنچانا شامل ہو۔ پاکستان میں ہندو اور عیسائی قابلِ لحاظ تعداد میں آباد

ہیں مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیئے تو انہوں نے بے پناہ ہنگامے کیئے مگر غیر مسلموں کو اسلام کی رحمت میں داخل کرنے کے لیئے کوئی بھی قابلِ ذکر کوشش اب تک پاکستان میں وجود میں نہ آسکی حالانکہ اس ملک میں عیسائی زبردست تبلیغی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہی حال ساری دنیا کے مسلمانوں کا ہے۔ وہ لوگوں کو جہنم میں ڈالنے کے لیئے تو بہت بے قرار ہیں مگر لوگوں کو جنّت میں پہنچانے کے لیئے ان کے اندر کوئی تڑپ نہیں پائی جاتی۔" (صفحہ ۴۷)

برطانوی ہند کے ممتاز مسلم صحافی جناب مولانا حکیم برہم صاحب گورکھپوری نے اپنے آخری مضمون میں جو اُن کی وفات کے بعد شائع ہوا تحریر فرمایا:۔

"ہندوستان میں صداقت اور اسلامی سپرٹ صرف اِس لیئے باقی ہے کہ یہاں رُوحانی پیشواؤں کے تصرفاتِ باطنی اپنا کام برابر کر رہے ہیں..... اور سچ پوچھو تو اِس وقت یہ کام جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کے حلقہ بگوش اسی طرح انجام دے رہے ہیں جس طرح قرونِ اُولیٰ کے مسلمان انجام دیا کرتے تھے۔"

(اخبار "مشرق" گورکھپور مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۴)

اِس ماحول میں جماعت احمدیہ کا تاریخی رول کیا ہے؟ اس کا اجمالی تذکرہ دوسروں کی زبانی سُنیئے۔

برِّ صغیر کے مفکّر اور صحافی علّامہ نیاز فتحپوری تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِس وقت مسلمانوں میں ان کو بے دین و کافر کہنے والے تو بہت

ہیں لیکن مجھے تو آج اِن مدعیانِ اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آتی جو اپنی پاکیزہ معاشرت، اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ، اپنی تابِ مقاومت اور خوئے صبر و استقامت میں احمدیوں کے خاکِ پا کو بھی پہنچتی ہو!

این آتشِ نیرنگ نہ سوزد ہمہ کس را

یہ امر مخفی نہیں کہ تحریکِ احمدیت کی تاریخ ۱۸۸۹ء سے شروع ہوتی ہے جس کو کم و بیش ستر سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا لیکن اسی قلیل مدت میں اس نے اتنی وسعت اختیار کر لی کہ آج لاکھوں نفوس اس سے وابستہ نظر آتے ہیں اور دُنیا کا کوئی دُور و دراز گوشہ ایسا نہیں جہاں یہ مردانِ خدا اسلام کی صحیح تعلیم، انسانیت پرستی کی نشر و اشاعت میں مصروف نہ ہوں ...

اور جب قادیان و ربوہ میں صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہے تو ٹھیک اسی وقت یورپ و افریقہ و ایشیا کے ان بعید و تاریک گوشوں سے بھی یہی آواز بلند ہوتی ہے جہاں سینکڑوں غریب الدیار احمدی خدا کی راہ میں دلیرانہ قدم آگے بڑھائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔"

(ماہنامہ "نگار" لکھنؤ۔ جولائی ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۱۷۔۱۱۹)

نیز فرماتے ہیں :-

"اس کا نصب العین صرف قرآن اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ تعلیماتِ اسلام، اخلاقِ اسلام اور غایتِ ظہورِ اسلام کی عملی مثالیں بھی قائم

کرنا ہے۔ یعنی وہ صرف یہ کہہ کر خاموش نہیں ہو جاتے کہ اخلاق بلند کرو بلکہ اپنے کردار عمل سے بھی اس تعلیم کی برکات کا ثبوت دیتے ہیں۔ اتنا صریح روشن اور واضح ثبوت جس سے غضِ بصر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اگر تحریک احمدیت کے آغاز سے اس وقت تک کی ان تمام خدمات کا جائزہ لیں جو اُس نے خالص اخلاقی نقطۂ نظر سے مفادِ عامہ کے لیئے انجام دی ہیں تو آنکھیں کھُلی رہ جاتی ہیں۔" (الفضل ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۳ء)

پاکستان کے مورّخ جناب شیخ محمد اکرام صاحب اپنی مشہور کتاب "موجِ کوثر" کے صفحہ ۲۰۳ پر لکھتے ہیں:۔

"احمدیہ جماعت کی تبلیغی کوششیں صرف انگلستان تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے کئی دوسرے ممالک میں بھی اپنے تبلیغی مرکز کھولے ہیں۔ دُنیا کے مسلمانوں میں سب سے پہلے احمدیوں اور قادیانیوں نے اس حقیقت کو پایا کہ اگرچہ آج اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے لیکن عیسائی حکومتوں میں تبلیغ کی اجازت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسا موقع بھی حاصل ہے جو مذہب کی تاریخ میں نیا ہے اور جس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اگرچہ جو کام ابھی تک انہوں نے کیا ہے وہ ایک کامیاب ابتداء سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا لیکن انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک نیا رستہ کھول دیا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مذہب کی بڑی خدمت کرسکتے ہیں۔ اسلامی ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے درمیان روابط قائم کرسکتے ہیں۔ اور دُنیائے اسلام میں وہ

سربلندی اور درجہ حاصل کر سکتے ہیں جس کے وہ اپنی تعداد، مذہبی جوش اور شاندار سیاسی روایات کی وجہ سے مستحق ہیں۔

اب روز بروز برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اس خیال کے پابند ہوتے جاتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی مصلحت اس میں نہیں کہ پاک و ہند کے مسلمان ترکی یا مصر یا کسی اور مختصر سے اسلامی ملک کے "تابع مہمل" بنے رہیں۔ بلکہ اسلامی مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ علمی اور تبلیغی بلکہ اقتصادی اور تمدنی امور میں بھی پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان دنیائے اسلام یا کم از کم اسلامی ایشیا کی راہنمائی کریں۔ یہ خیال قوم کے مطمح نظر کو بلند کر کے ایک نئی روحانی زندگی کا باعث ہوگا۔ لیکن اس کے ایک حصّے کی عملی تشکیل سب سے پہلے احمدیوں نے کی۔"

برصغیر کے ایک ممتاز عالم دین مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق جدید (لکھنؤ) نے قادیان سے شائع ہونے والے رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"احمدیہ جماعت قادیان اپنے رنگ میں جو خدمت تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں کر رہی ہے یہ رسالہ اس کا پورا مرقع ہے۔ جماعت کے مشن یورپ، امریکہ، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، ماریشس، انڈونیشیا، نائیجیریا اور ہندوستان و پاکستان کے خدا معلوم کتنے مختلف مقامات میں قائم ہیں، ان سب کی فہرست اور ان کی کارگزاریاں، ان سے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت انگریزی، فرنچ، جرمن، ڈچ، اسپینی، فارسی، برمی، ملایا، تامل، ملیالم، مرہٹی، گجراتی، ہندی اور اردو زبان

میں اُن کی مسجدوں اور اُن کے اخبارات و رسائل کی فہرست اور
اسی قسم کی دوسری سرگرمیوں کا ذکر ان صفحات میں نظر آجائے گا۔ اور
ہم لوگوں کے لیے، جو اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں ہیں ایک تازیانۂ عبرت
کا کام دے گا ــــ **کاش! ان لوگوں کے عقائد ہمارے جیسے
ہوتے اور ہم لوگوں کی سرگرمیٔ عمل اُن کی جیسی۔"**

("صدقِ جدید" ۷ جون ۱۹۵۷ء)

بنگلور کے ایک فرض شناس اور علم دوست ایڈووکیٹ جناب اے۔ جے
خلیل صاحب نے مدیر "صدق جدید" کے نام ایک خط میں لکھا:۔

"یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ جو لوگ احمدی یا قادیانی نہیں ہیں وہ
پیامِ الٰہی کی چار دانگِ عالم میں تبلیغ کرنے میں بہت ہی کوتاہ
ہیں۔ مَیں کوئی سولہ برس سے اِس فرض فراموشی کا کفّارہ ادا کرنے میں
کلامِ الٰہی کا ترجمہ عالمی زبانوں میں کرنے اور اس کی طبع و اشاعت میں
مصروف ہوں لیکن خود میرے اُوپر قادیانیت کا الزام لگا اور
ثبوت میں یہی واقعہ پیش ہُوا کہ یہ قرآنی تبلیغ کرتا رہتا ہے اسلیئے
کہ یہ کام تو بس قادیانی ہی کرتے رہتے ہیں۔"

جناب خلیل صاحب کے خط کے اِس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد جناب مولانا
عبدالماجد صاحب دریابادی ایڈیٹر صدق جدید تحریر فرماتے ہیں:۔

**"مبارک ہے وہ دین کا خادم جو تبلیغ و اشاعت
قرآن کے جُرم میں قادیانی یا احمدی قرار پائے اور قابلِ
رشک ہے وہ احمدی یا قادیانی جن کا تمغۂ امتیاز ہی
خدمتِ قرآن یا قرآنی ترجموں کی طبع و اشاعت کو سمجھ**

کیا جائے۔" (صدق جدید ۲۲ دسمبر ۱۹۶۱ء)

علامہ شبلی نعمانی نے شغل تکفیر کے خوگر اور دلدادہ مذہبی راہ نماؤں کا کیا خوب نقشہ کھینچا تھا۔ فرماتے ہیں ؎

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ | کچھ حالت یورپ سے خبردار نہیں ہیں
آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں | ہر چند ابھی مائل اظہار نہیں ہیں
جو نام سے اسلام کے ہو جاتے ہیں برہم | اُن میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا | ہاں ہیں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد | کیا آپ بھی اُس کے لئے تیار نہیں ہیں
جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوءِ ادب ہے | کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں مسلمانوں کی تکفیر شب و روز | بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

(مجموعہ نظم شبلی اردو صفحہ ۳۴-۳۵ مرتبہ سید ظہور الحسن صاحب موسوی تاجر کتب دہلی۔ چھتہ لال میاں)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود و مہدی مسعود کے جدید علم کلام میں کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ عاجز تو محض اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ دُنیا کے تمام مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن لایا ہے اور دار النجات میں داخل ہونے کے لیئے دروازہ لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔" (حجۃ الاسلام صفحہ ۱۲-۱۳، اشاعت ۸ رمئی ۱۸۹۳ء مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر)

یہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے جدید علمِ کلام ہی کا اعجاز ہے کہ کلمہ طیّبہ جماعت احمدیہ کے عقیدہ و ایمان کا ہمیشہ جزوِ اعظم رہا ہے۔ اور یہ حقیقت تو تاریخ کا حصّہ بن چکی ہے کہ اُس نے کلمہ طیبہ کی خاطر ایسی عدیم النظیر قربانیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر لی ہے کہ یہ مقدس کلمہ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی یادگار ہے پاکستان میں احمدیوں کی علامت بن چکی ہے اور اسی سے اُن کا دینی تشخّص ہوتا ہے۔ (اخبار "نوائے وقت" لاہور ۱۸ مئی ۱۹۸۷ء صفحہ ۶)

حضرت سیدنا فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے قادیان میں خطبہ جمعہ ۲۸ اگست ۱۹۳۶ء کے دوران یہ پُرشوکت اعلان فرمایا کہ ہمارے لیے خود اللہ تعالےٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماٹو تجویز فرمایا ہے کہ **لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسُول اللہ**۔ اور ہماری جماعت کا فرض ہے کہ اسے ہر وقت اپنے سامنے رکھے۔ (الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۵-۷)

فرزندانِ احمدیت کلمہ طیّبہ کی عظمت و حرمت کے لیے ہمیشہ کفن بردوش رہے ہیں ـــــ اِس "جرم" کی پاداش میں کئی خوش نصیب جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں اور کئی اب بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اور ظلم و تشدّد کے باوجود کلمہ طیّبہ کا پرچم بلند رکھے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کلمہ کے علاوہ کسی جدید کلمہ کا اقرار انہیں گوارا نہیں اور ہرگز گوارا نہیں!! اِس باب میں ان کا مسلک خالص حسینی ہے ؎

کٹا کر گردنیں بتلا گئے یہ کربلا والے ؛ کبھی بندوں کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

پاکستان کے مشہور قانون دان اور صاحب طرز ادیب جناب اصغر علی صاحب گھرال ایڈووکیٹ اپنی تالیف "اقبال یا مُلّا ازم" میں احمدیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

...... "جناب اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں

اُس زمانے میں یہ شعر شاید شاعرانہ مبالغہ ہوگا۔ **کافر انگریز کی حکومت میں خدا کا نام لینے پر کسی نے کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔ کوئی رپٹ** نہیں لکھوائی تھی۔ یہ **"سعادت" صرف موجودہ اسلامی دَور کو نصیب** ہوئی ہے۔ "غیر مسلموں" کو **اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی معبودیت کے اقرار کی اجازت نہیں**۔ یہ جرم قابلِ دست اندازیٔ پولیس ہے خلاف ورزی کی صورت میں آپ گرفتار ہو سکتے ہیں، سزا پا سکتے ہیں۔ ہو گیا سکتے ہیں، ہو رہے ہیں۔ پاکستان کی عدالتوں میں ایسے بے شمار مقدمات چل رہے ہیں جن میں کلمہ طیّبہ پڑھنے، کلمہ کا بیج لگانے، درود شریف پڑھنے، اذان دینے اور نمازِ جمعہ کی تیاری کے لیے وضو کرنے کے الزامات میں گرفتاریاں ہوئیں اور "ثبوتِ جرم" کے بعد عدالتوں سے باقاعدہ سزائیں دی گئی ہیں۔ ایسے بے شمار واقعات میں سے ۲۵ جون ۱۹۸۷ء کے روزنامہ "جنگ" لاہور سے ایک چھوٹی سی خبر ملاحظہ ہو ـــــ عنوان ہے:۔

"اذان دینے پر قادیانی کو دو سال قید

بدوملہی (نامہ نگار) سول جج با اختیار دفعہ ۳۰ ضابطہ فوجداری نارووال نے بدوملہی کے ایک قادیانی نوجوان مسعود احمد بٹ کو ۲ سال قید اور ۲ ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی ہے۔ مسعود بٹ نے ایک سال قبل اِنٹی احمدیہ آرڈیننس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اذان دی تھی۔ ایک تحریری درخواست پر مقامی پولیس نے اس کے خلاف مقدمہ

درج کر کے گرفتار کر لیا تھا۔ تفصیل اس جرم کی یہ ہے کہ قادیانی نوجوان نے بآوازِ بلند کہا تھا کہ "اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"...."میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"....میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں".....

"نماز کی طرف آؤ"......

"بھلائی کی طرف آؤ"......

"اللہ سب سے بڑا ہے".......

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں".....

اس معروضی صورتِ حال سے چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا اس اسلامی مملکت میں "ربّ العالمین" فقط "ربّ المسلمین" ہے؟ اور کیا اب

(i) غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کی اجازت نہیں؟

(ii) غیر مسلموں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرنے کی اجازت نہیں؟

(iii) غیر مسلموں کو اجازت نہیں کہ وہ قرآن پاک کو نظامِ حیات کے لیئے بہترین کتاب ھُدیٰ قرار دیں اور کیا ان کو قرآن پاک کی صداقتوں اور احکام پر عمل پیرا ہونے کی اجازت نہیں؟

ان سوالات کے "ہاں" میں جوابات کے لیئے قرآن پاک سے کیا جواز ہے؟ اور نفی کی صورت میں "کلمہ طیبہ" پڑھنے پر "پکڑ دھکڑ" اور "قید و بند" کیوں ہے؟

انٹی احمدیہ آرڈیننس کو زیرِ بحث لانا، اس پر مفصّل تبصرہ میرے موضوع

سے خارج ہے۔ ویسے بھی اس آرڈیننس پر صحیح تبصرہ تاریخ ہی کرے گی البتہ اس کے نفاذ کے بعد سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے نصف درجن سابق جج صاحبان نے مشترکہ بیان میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ :۔

"پاکستان میں سب کو اپنی پسند کے مذہب پر عمل کرنیکی اجازت ہونی چاہیئے۔ انھوں نے کہا احمدیہ فرقہ یا کسی اور فرقہ کے افراد پر طریقۂ عبادت اور کلمہ پڑھنے پر موجودہ پابندیاں، ان حقوق کی شدید خلاف ورزی ہے جن کی ضمانت مملکت کے تمام شہریوں کو دی گئی ہے۔ نیز یہ بنیادی انسانی حقوق کے تصوّر کی بھی نفی ہے۔"

اس بیان پر دستخط کرنے والوں نے قائدِ اعظم کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں اس تقریر کا حوالہ دیا جس میں اُنھوں نے کہا تھا کہ :۔

"تم آزاد ہو۔ تم اپنے مندروں میں جانے پر آزاد ہو۔ تم اپنی مسجدوں اور دیگر عبادت گاہوں میں آزادی سے جا سکتے ہو۔ پاکستان میں تم کسی بھی مذہب یا ذات یا عقیدہ سے تعلق رکھ سکتے ہو۔ کاروبارِ مملکت سے اس کا کوئی سروکار نہ ہوگا۔"

ذیل کے اصحاب نے اس مشترکہ بیان پر دستخط فرمائے تھے :۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق جج جناب فخرالدین جی ابراہیم، مغربی ہائی کورٹ کے سابق جج مسٹر علی سعید، مسٹر فضل غنی، سندھ ہائی کورٹ کے جناب عبدالحفیظ میمن، اے کیو صحالے پوتہ اور مسٹر جی ایم شاہ۔

اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ الزام تو لگتا رہا کہ مسلمانوں نے زبردستی کافروں کو کلمہ پڑھوایا البتہ کلمہ پڑھنے والوں کو بنوکِ شمشیر

اس سے باز رکھنے کی کوئی مثال پہلے نہیں ملتی۔
مگر اس آرڈیننس کے تحت جرائم کی یہ فہرست یہیں تک محدود نہیں رہے گی وقت گزرنے کے ساتھ مُلّا کے مطالبات اور آرڈی ننس کے دائرے وسیع ہوتے جائیں گے۔ غیر مسلموں کے تمام اعمال جو مشتبہ بالاسلام ہونے کا احتمال ہے قابلِ دست اندازی پولیس جرائم کی زد میں آسکتے ہیں مثلاً :۔

۱۔ احمدیوں کا اپنے نومولود بچّوں کے کانوں میں اذان دینا حالانکہ ہر بچّہ فطرتِ سلیم لے کر پیدا ہوتا ہے اور ہمارے عقیدہ کے مطابق وہ مُسلم ہوتا ہے۔

۲۔ رمضان المبارک میں مسلمانوں کی طرح روزہ رکھنا، روزے رکھنے کی تیاری کرنا اور روزے کی افطاری (احمدیوں کو دن کے وقت کھانا کھلوا کر پولیس باقاعدہ ٹیسٹ لیا کرے گی کہ کہیں چوری چھُپے روزہ تو نہیں رکھ لیا)

۳۔ ختنہ کروانے پر یہ عذر مسموع نہیں ہوگا کہ یہودی اور بعض دیگر اقوام میں ختنہ رائج ہے۔

۴۔ مسلمانوں کا نام رکھنے پر۔ حالانکہ بیشتر نام مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں تک میں مشترک ہیں بلکہ بادنیٰ تصرف ہندوؤں اور سکھّوں کے بھی وہی نام ہیں۔

۵۔ مسلمانوں کا سا لباس پہننے اور مسلمانوں کی سی داڑھی رکھنے پر۔

۶۔ وضو کرنے، مسلمانوں کی طرح نماز پڑھنے، گھر میں لوٹا یا مصلّہ رکھنے پر۔

۷۔ قرآن پاک کا پڑھنا اور کتاب اللہ کو گھر میں رکھنا ممنوع ہوگا۔ بلکہ قرآن پاک کے نسخے کی برآمدگی کی صورت میں منشیات اور ناجائز اسلحہ

سے زیادہ سزا کا مستحق ہو گا۔ (مَیں نے اگلے دن ایک ساٹھ سالہ احمدی خاتون کو قرآن پاک حفظ کرتے دیکھا ہے۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگیں جب مولوی لوگ یہ خزانہ میرے گھر سے اُٹھا کر لے جائیں گے تو تلاوت کیسے کروں گی۔ اور یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں کے موتی جھڑ رہے تھے۔)

۸۔ ان پر مسلمانوں کی طرح ذبیحہ اور حلال گوشت کھانے پر پابندی لگ سکتی ہے اور "کافری" کی تصدیق و توثیق کے لیئے ان کو حرام گوشت کھانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

یہ دائرہ پھیلتا ہی جا رہا ہے مگر کیا آپ اِسے مذاق سمجھ رہے ہیں؟

جب پہلے دن مَیں نے یہ خبر پڑھی تھی کہ کلمہ پڑھنے پر یا کلمہ کے بیج لگانے پر چند نوجوانوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو مَیں نے بھی اِسے مذاق ہی سمجھا تھا کہ ربّ العالمین اور رحمت للعالمینؐ کا نام لینے پر پابندی کیسے لگ سکتی ہے؟ جسٹس ایم آر کیانی مرحوم نے فرمایا تھا کہ بعض انسانی حقوق اتنے بنیادی ہوتے ہیں کہ اُن پر پابندی لگائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر اب وہ زمانہ بھی بیت گیا۔ اب شاعر یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا ؎

تجھے کیا پڑی ہے زاہد مری طرزِ بندگی سے
نہ حرم تیری وراثت نہ خدا ترا اجارا

پرانے زمانے کے بادشاہ بعض مخالفین پر بھوکے شیروں کے پنجرے میں پھینک کر تماشا دیکھا کرتے تھے پاکستان کے بادشاہ لوگ اس شاندار روایت کو پھر زندہ کر رہے ہیں۔" (اسلام یا مُلّا ازم صفحہ ۱۴۶ تا ۱۵۱ مؤلفہ اصغر علی

گھرال ایڈووکیٹ ہائی کورٹ۔ ناشر مکتبہ الوکیل عزیز بھٹی شہید روڈ گجرات۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

پاکستان کے ایک اور قانون دان جناب حسین شاہ صاحب ایڈووکیٹ نے اپنی کتاب "آمریت کے سائے" میں بھی اُن خونی اور دردناک مظالم پر روشنی ڈالی ہے جو ضیاء دور میں کلمۂ توحید کے پروانوں پر نہایت بے دردی کے ساتھ ڈھائے گئے اور بتایا ہے کہ کس طرح بہت سی احمدی عبادتگاہوں کو یا تو مسمار کر دیا گیا یا سربمہر کر دیا گیا۔" اسی طرح راہوالی، بھکر، ملتان، گوجرانوالہ اور جھنگ میں قادیانی جماعت کی مساجد کو آگ لگا کر گرا دیا گیا مگر حکومت کی طرف سے مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی جبکہ بعض مقامات پر مقامی حکام کے احکام کے تحت اُن کی موجودگی میں کلمہ طیبہ کھرچ کر مٹا دیا گیا۔ مثال کے طور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کوئٹہ اور سب ڈویژنل مجسٹریٹ راولپنڈی کے حکم پر قادیانی جماعت کی مساجد سے کلمہ طیبہ مٹا دیا گیا۔" (صفحہ ۳۸۲)

اس کے بعد جناب حسین شاہ صاحب ایڈووکیٹ "بلا جرم قتل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:-

"قادیانی جماعت کے بہت سے افراد کو بغیر کسی جرم یا گناہ کے کھلے مقامات پر دن دہاڑے قتل کر دیا گیا لیکن حکومت کی طرف سے مجرموں کو گرفتار کرنے یا قرار واقعی سزا دینے کے لیئے قانونی مشینری کو خاموش کر دیا گیا۔ قتل ہونے والوں میں بعض افراد بڑی اہمیت کے حامل تھے جن میں سے حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) پروفیسر عقیل بن عبدالقادر:۔ آپ امراضِ چشم کے ماہر ڈاکٹر اور لیاقت میڈیکل کالج میں شعبۂ امراضِ چشم کے سربراہ تھے آپ

کو ۱۹ جون ۱۹۸۵ء کو حیدر آباد میں قتل کر دیا گیا۔

(ii) ڈاکٹر عبد القادر:۔ آپ پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے سینئر ممبر تھے اور فیصل آباد میں پریکٹس کرتے تھے۔ آپ کو ۱۵ جون ۱۹۸۴ء کو فیصل آباد میں اپنے گھر میں قتل کر دیا گیا۔

(iii) عبد الحکیم ایڑو:۔ آپ وارہ ضلع لاڑکانہ میں اسکول ٹیچر تھے اور چھ معصوم بچوں کے باپ اور سرپرست تھے۔ آپ کو ۱۶ اپریل ۱۹۸۳ء کو رات کے وقت سوتے ہوئے قتل کر دیا گیا لیکن پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ بلکہ اس کے برعکس قادیانی جماعت کے بہت سے افراد کے خلاف کلمہ طیبہ پڑھنے یا نماز پڑھنے کے جرم میں مقدمات قائم کر کے انہیں سزائیں دی گئیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب مسلمان کلمہ طیّبہ کی تبلیغ اور صوم و صلوٰۃ کے قیام کے لیئے دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے اور ایک دن یہ ہے کہ اگر کوئی قادیانی صدق دل سے بھی کلمہ طیّبہ پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ اس کے لیئے کلمہ طیّبہ پڑھنے پر پابندی ہے۔ بلکہ ایسا کرنا تعزیری جرم بھی ہے۔" (صفحہ ۲۸۴) ناشر شاہین لائیک ہاؤس ایم اے جناح روڈ۔ کراچی)

۵ عاشقوں کا شوقِ قربانی تو دیکھ   خون کی اِس راہ میں ارزانی تو دیکھ
ہے اکیلا کفر سے زور آزما   احمدی کو دُروحِ ایمانی تو دیکھ (کلامِ محمود)

پاکستانی احمدیوں کے خونچکاں واقعات اور ان کی جانفروشیوں نے منصف مزاج مسلم حلقوں کو ہی متاثر نہیں کیا غیر مسلم دنیا بھی عش عش کر اُٹھی ہے

اِس ضمن میں کینیڈا کے مستشرق اور اوٹاوہ یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر انٹینو آر گلیٹری (ANTONIO R. GUALTIERI) کی مثال دی جا سکتی ہے۔ آپ دسمبر ۱۹۸۷ء میں احمدیوں کی بے مثال قربانیوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے لئے پاکستان تشریف لائے اور احمدی جوانوں کے جذبۂ فدائیت، دینی جوش اور ولولہ ایمانی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور واپس جا کر اپنے تأثرات و مشاہدات پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے CONSCIENCE AND COERCION (انسانی ضمیر اور جبر و تشدّد) اِس کتاب میں پروفیسر موصوف نے بہت سے حقائق سے پردہ اُٹھاتے ہوئے بتایا ہے کہ قربانی کے موجودہ دَور میں جماعت احمدیہ کسی پہلو سے بھی میدان سے پیچھے نہیں ہٹی اور ان کے اندر نئے عزم پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ میں نے جیلوں میں جا کر بوڑھوں کے ساتھ بھی بات چیت کی اور میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ ان کو لذّت کس بات کی آ رہی ہے۔ وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ خدا کی خاطر قربانی کا مزہ ہے۔ (مفہوم)

یہ قابلِ قدر کتاب کینیڈا کے نشریاتی ادارہ "GUERNICA" نے مانٹریال سے گزشتہ سال ۱۹۸۹ء میں شائع کی ہے۔

مولانا تاج محمد صاحب بھٹی ناظمِ اعلیٰ تحفظِ ختمِ نبوّت کوئٹہ نے مجسٹریٹ درجہ اوّل کوئٹہ کی عدالت میں ۲۱ دسمبر ۱۹۸۵ء کو بیان دیتے ہوئے یہ حیرت انگیز اعتراف کیا کہ :-

"یہ درست ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو آدمی نماز پڑھتا تھا، اذان دیتا تھا یا کلمہ پڑھتا تھا اس کے ساتھ مشرک یہی سلوک کرتے تھے جو اَب ہم احمدیوں سے کر رہے ہیں۔" (مصدّقہ نقل بیان

گواہ استغاثہ نمبر ۲ تاج محمد ولد فیروز الدین مجریہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۹ء)

گزشتہ سال ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو "فقیہانِ شہر" کی سازش سے ایک ایسا اقدام کیا گیا جس کی کوئی مثال اُن اشتراکی ممالک میں بھی نہیں مل سکتی جہاں مظلوم مسلمان اقلیتیں تعصّب کا شکار ہو رہی ہیں اور لاتعداد مسائل سے دوچار ہیں اور وہ یہ کہ ربوہ کے پچاس ہزار احمدیوں کے خلاف "کلمہ طیبہ" کے جُرم میں زیر دفعہ c ۲۹۸ مقدمہ درج کر دیا گیا۔ (نوائے وقت ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء صدا ، الفضل ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۹ء صدا)

سزا دار و رسن کی دیں گے آخر آپ کس کس کو
کہ دیوانوں کی بستی میں تو سب منصور رہتے ہیں

غرضیکہ کلمۂ طیّبہ کی عظمت و ناموس کے لیۓ جماعت احمدیہ کی فدا کاریوں اور جاں نثاریوں کا سلسلہ بہت طویل مگر حد درجہ ایمان افزاء ہے جس سے چودہ سَو سال قبل کا دَور ایک بار پھر پوری شان سے پلٹ آیا ہے

وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی
فسُبحَانَ الّذِیْ اَخزَی الاَعَادِی

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے جدید علم کلام نے مندرجہ ذیل ممالک پر خاص طور پر نظریاتی اثرات ڈالے ہیں جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتے جا رہے ہیں۔
دُنیائے عرب۔ برصغیر پاک و ہند۔ ایران۔ انڈونیشیا۔ روس۔ یورپ و امریکہ

دُنیائے عرب

حضرت اقدس بانیٔ احمدیت نے اپنے دعویٔ مسیحیت و مہدویت کے ابتدائی دَور میں ہی یہ نظریہ پیش فرما دیا تھا کہ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں عہدِ حاضر کی ایجادات اور حالات کی نسبت پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اِس نظریہ نے دُنیائے عرب کے علمی طبقہ کو بہت متاثر کیا ہے جس کے متعدد نمونے جدید عربی لٹریچر میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مصری عالم "الامام المجتہد الحافظ ابی الفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی" نے "مطابقة الاختراعات العصريه لما اخبر به سيد البريه" کے نام سے ایک تالیف کی جو مکتبہ قاہرہ نے شائع کی جو خاص اِس موضوع پر ہے۔ اس کتاب کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور کی طرف سے "اسلام اور عصری ایجادات" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جو مولانا ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی مارہروی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔

ایک عرب فاضل جناب کامل سلیمان کے قلم سے ایک ضخیم کتاب "يوم الخلاص في ظلّ القائم المهدي عليه السلام" منظرِ عام پر آچکی ہے۔ جسے

بیک وقت دارالکتاب المصری (قاہرہ) اور دارالکتاب اللبنانی (بیروت) نے شائع کی ہے۔ اس کا ایک نسخہ راقم الحروف نے کویت کی مرکزی لائبریری میں دیکھا ہے۔ اِس کتاب میں قابل مؤلف نے بڑی شرح و بسط سے نہ صرف دَورِ جدید کی ایجادات کا قرآن و حدیث سے پتہ دیا ہے بلکہ بتایا ہے کہ آمد مہدی موعود سے متعلق قرآن مجید، احادیث نبویؐ اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی اکثر و بیشتر علامات پوری ہو چکی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا چمکتا ہُوا نشان ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ کئی علامات پر دبیزی پردہ پڑا ہُوا تھا لیکن موجودہ زمانہ کی ایجادات و اکتشافات نے اُن کی حقیقت بالکل کھول دی ہے۔

(بعض علامات جن کا ذکر کیا گیا ہے) :۔ مہدی موعود کا خزانہ چاندی اور سونا نہیں، اس کے انصار ہیں جو کامل عارف باللہ ہوں گے۔ مہدی موعود اسلام کو جدید رنگ میں پیش کرے گا۔ موٹر کار اور طیارہ جیسی سواریوں کی پیشگوئی۔ ائمہ گمراہ اور بادشاہ ظالم ہوں گے۔ حکّام کے مظالم سے عوام پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے گا۔ فقہاء خائن ہوں گے۔ اُن کا دعویٰ ہوگا کہ وہ میری سُنّت کی طرف دعوت دے رہے ہیں حالانکہ وہ مجھ سے بیزار اور میں اُن سے بیزار ہوں۔ (حدیث)۔ علماء بادشاہوں سے وابستہ ہو جائیں گے اور اُن کے اشارۂ ابرو پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیں گے اور جو چاہیں گے فتوے دیں گے۔ اور علم محض اس لیئے سیکھیں گے کہ درہم و دینار حاصل کریں اور قران کو تجارت کا ذریعہ بنائیں۔ بادشاہ ظالم ہوں گے اگر اطاعت کروگے تو کافر بنا دیں گے اور اگر نافرمانی کروگے تو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ بادشاہ اور کتاب اللہ الگ الگ ہو جائیں گے۔ اُن کے فیصلے اپنے لیئے اَور ہوں گے اور تمہارے لیئے اَور۔ اگر اُن کی اطاعت کروگے گمراہ ہو جاؤ گے پس حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی طرح

دین کی خاطر قربانیاں پیش کرنا جو آروں سے چیر دیئے گئے اور تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے۔

علماء بدترین خلائق ہوں گے۔ دوسروں کو قتل کرائیں گے اور خود بھی چوروں کی طرح قتل کیئے جائیں گے۔

مالدار تفریح کے لیئے، متوسط طبقہ کے مسلمان تجارت کے لیئے اور فقیر ریاکاری اور گداگری کے لیئے حج کریں گے۔ بادشاہوں کا حج بھی تفریح کیلئے ہوگا۔ حرمین شریفین میں گانے اور موسیقی کے آلات داخل ہوجائیں گے۔

جور و فساد بڑھ جائے گا۔ بدی ظاہراً ہوگی مگر نیکی سے روکا جائے گا۔ قتل و غارت میں زبردست اضافہ ہوجائے گا اور خونریزی معمولی بات سمجھی جائے گی کھیل تماشے بہت ہوں گے۔ خدا کو گالیاں دی جائیں گی۔ قرآن اور باطل کا سننا آسان ہوگا۔

مساجد بظاہر آباد مگر فتنوں کی آماجگاہ ہوں گی۔ ان میں تصادم ہوں گے۔ اور ہر فتنہ انہی سے اُٹھے گا۔ حج اور جہاد غیراللہ کے لیئے ہوگا۔ طاعون کا زور ہوگا۔ فضائی جنگیں لڑی جائیں گی۔ حجاز سے آگ اُٹھے گی (پٹرول برآمد ہوگا)۔ یہودی فلسطین میں اکھٹے ہوجائیں گے اور وادئ قدس پر یہودیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

حضرت مہدی علیہ السلام محمدی پرچم کے حامل اور **احمدی بادشاہت** کے علمبردار ہوں گے ("صاحب الرایة المحمدیة والدولة الاحمدیة") آپ کا ظہور ہجرت نبویؐ کے ۱۴۴۴ سال بعد مقدر ہے۔

یہود کے ارض مقدس میں اجتماع سے قبل آپ ظاہر ہوچکے ہوں گے۔ آپ کے زمانہ میں جبرئیلؑ نازل ہوں گے اور رمضان میں آواز آئے گی کہ حق

آل محمدؐ میں ہے۔ کعبہ کے راستہ میں دیوار حائل کر دی جائے گی۔ مومن اقلیت میں ہوں گے اور اپنی بکری سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا کیئے جائیں گے۔ اور گو علماء وقت سب سے بڑھ کر مہدی کے مخالف ہوں گے مگر بالآخر مشرق و مغرب مہدی موعود کی منادی سے گونج اُٹھیں گے۔

اِس نوع کی بکثرت علامات اس کتاب کے دو ابواب" العلم والفقہاء والامراء" اور " الدین والقرآن" میں بیان کی گئی ہیں۔

ظہور مہدی کا آفاقی نشان رمضان میں چاند سورج گرہن ہے جس کا ذکر حدیث کی بلند پایہ کتاب " دارقطنی" میں موجود ہے۔ ازہر یونیورسٹی کے ایک نابغہ روزگار علامہ سیّد محمد حسن نے اپنی کتاب" المھدیہ فی الاسلام" کے صفحہ ۱۲۷ پر تسلیم کیا ہے کہ چاند سورج گرہن کا یہ آسمانی نشان اگر کسی مدعیٔ مہدویت کے زمانہ میں پورا ہوا تو وہ بانی سلسلہ احمدیہ ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی آمد سے قبل مسلم دنیا میں خونی مہدی کے ظہور کا تصوّر عرب و عجم میں راسخ ہو چکا تھا۔ ہر طرف مہدی کی تلوار سے کفار کے قتلِ عام کے غلغلے بلند ہو رہے تھے۔ اِس بھیانک تصوّر نے دشمنانِ اسلام کی نظر میں اسلام کو بہت بدنام کیا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اِس تصوّر کے خلاف زبردست جہاد کیا۔ چودھویں صدی ہجری کے آخر میں خدا تعالیٰ نے اِس دیومالائی افسانہ اور خیال کو پاش پاش کرنے کا عجیب سامان پیدا فرمایا اور وہ یہ کہ عین حج کے مقدّس و مبارک ایّام کے دَوران ایک شخص محمد بن عبداللہ القحطانی نے جس کی والدہ کا نام آمنہ تھا حرمِ کعبہ میں دعویٔ مہدویت کیا اور اس نے دوسرے فسادیوں سے مل کر سٹین گنوں سے خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ کئی دن کے خونریز تصادم کے بعد ارضِ حرم کو اِس فتنہ سے پاک کیا جا سکا۔

اِس حادثہ عظمیٰ نے عرب کے دانشور علماء و فضلاء کی آنکھیں کھول دیں چنانچہ ایک مشہور عالمِ دین الشیخ محمد علی الصابونی نے "المھدی واشراط الساعۃ" کتاب شائع کی جس میں صاف طور پر اقرار کیا کہ مہدی دینی مُصلح ہوگا جو اللہ عزّ وجلّ کی طرف سے براہین و دلائل لے کر آئے گا اور وہ بندوقوں اور سٹین گنوں سے مسلّح نہ ہوگا۔ اور ہتھیار بند ہو کر دعویٰ کرنے والا شخص مہدی نہیں دجّال ہے۔ نہ صرف دمشق اور بیروت میں بلکہ سارے عرب ممالک میں اِس کتاب کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی گئی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے نہایت شدّ و مدّ کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جہاد کے نام سے جارحانہ اقدامات کا الزام سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اسلام صرف دفاع کے لیئے تلوار اُٹھانے کی اجازت دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں۔

عرب علماء کی طرف سے اِس مسلک کی تائید میں عرصہ سے آواز بلند کی جارہی ہے۔ چنانچہ علاّمہ سیّد محمد رشید رضا مدیرُ المنارُ نے "الوحی المحمدی" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد بالسیف کو جارحانہ نہیں مدافعانہ قرار دیا ہے۔

برطانیہ میں عرب ملکوں کی سرپرستی میں "دی مسلم سکولر ٹرسٹ لنڈن" قائم ہے جس کے چیئرمین شیخ عبداللہ علی المحمود (شارجہ) ہیں۔ ٹرسٹ نے پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں انسائیکلوپیڈیا آف سیرت (ENCYCLOPAEDIA OF SEERAH) کی چار جلدیں شائع کی ہیں اور اس کا پیش لفظ سعودی عرب کی شاہ فیصل یونیورسٹی جدہ کے صدر ڈاکٹر عبداللہ النصیف نے رقم فرمایا ہے کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۵۰۳-۵۰۴ پر اسلامی جہاد کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"In Makkah Muhammad began his mission first by himself obeying the Law of God and then by inviting his relatives and others to join with him and enter the fold of Islam. It was an open invitation to all, given in a peaceful and friendly manner, but people opposed him and gradually this opposition became violent and fierce. The Prophet and his companions suffered persecution at the hands of the Quraish for 13 years, until they were forced to leave their property, their homes, their relatives and, above all, the Ka'bah, and seek refuge in another town called Medinah, merely to protect their faith and practise it freely. But the Quraish did not let them live in peace and practise their faith even in Medinah and began a series of raids and attacks on them in order to destroy them and their faith. Thus war came into Islam as a logical step to self-protection and self-preservation. When the Quraish opposed and obstructed Muhammad and his companions, who were practising their Faith in their own way, and even waged war to destroy them, Muhammad was left with no option but to defend his faith and his life with all the power he could gather.

Under these circumstances, they were given permission to fight back and defend themselves and their faith from the aggressive designs of the enemy".

مکّہ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن کی ابتداء اس طرح کی کہ پہلے تو آپؐ نے خود اللہ کے قانون کی فرمانبرداری کی اور پھر اپنے رشتہ داروں اور دیگر لوگوں کو دعوت دی کہ اسلام قبول کرکے آپؐ کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ یہ دعوت ایک صلائے عام تھی جو پُرامن اور دوستانہ انداز میں دی گئی۔ لیکن لوگوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی جو رفتہ رفتہ شدید اور خوفناک شکل اختیار کر گئی۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضورؐ کے صحابہؓ نے قریشِ مکّہ کے ہاتھوں

تیرہ سال تک مظالم برداشت کیے یہاں تک کہ انہیں اپنی جائداد، اپنے مکان، اپنے رشتہ دار اور سب سے بڑھ کر خانہ کعبہ کو چھوڑتے ہوئے ایک اور شہر مدینہ میں پناہ لینا پڑی محض اس لیئے کہ وہ اپنے عقیدہ کا تحفظ کرسکیں اور اس پر آزادی سے عمل پیرا ہوسکیں لیکن قریش نے انہیں مدینہ میں بھی یہ موقع نہیں دیا کہ وہ آزادی سے وہاں رہ سکیں اور اپنے مذہب پر عمل کرسکیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں اور اسلام کو ختم کردینے کے لیئے متواتر چڑھائیوں اور حملوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس طرح اسلام میں اپنے دفاع اور اپنی بقاء کے لیئے جنگ کا تصور، اسی صورت حال کے طبعی نتیجہ کے طور پر آیا۔

جب قریش نے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہؓ کو اپنے دین پر اپنے عقیدہ کے مطابق عمل کرنے سے روکا اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنی بھرپور قوت سے اپنے دین اور اپنی جان کی حفاظت کریں۔ یہ تھے وہ حالات جن میں انہیں اجازت دی گئی کہ وہ اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر جوابی کارروائی کریں اور دشمن کے جارحانہ عزائم کا مقابلہ کرنے کے لیئے صف بستہ ہوجائیں۔ (ترجمہ)

مندرجہ بالا تصریحات حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے نظریۂ جہاد کی شاندار فتح کا اعلان عام کررہی ہیں کیونکہ آپ نے قریباً ایک صدی پیشتر اسلامی جہاد کے آغاز کا بالکل یہی فلسفہ پیش فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے کتاب "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" میں لکھا ہے:-

"اب ہم اس سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے؟

سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا
سامنا کرنا پڑا تھا اور تمام قومیں اس کی دشمن ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ یہ ایک
معمولی بات ہے کہ جب ایک نبی یا رسول خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا
ہے اور اُس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور
باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے تو اُس کی نسبت موجودہ
قوموں اور فرقوں کے دلوں میں ضرور ایک قسم کا بغض اور حسد پیدا
ہو جایا کرتا ہے۔ بالخصوص ہر ایک مذہب کے علماء اور گدی نشین
تو بہت ہی بغض ظاہر کرتے ہیں، ..... اور سراسر نفس کے تابع ہو کر
ضرر رسانی کے سوچتے ہیں بلکہ بسا اوقات وہ اپنے دلوں میں محسوس
بھی کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ایک پاک دل بندہ کو ناحق ایذا پہنچا کر
خدا کے غضب کے نیچے آگئے ہیں اور اُن کے اعمال بھی جو مخالف
کارستانیوں کے لیئے ہر وقت اُن سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اُن
کے دل کی قصوروار حالت کو اُن پر ظاہر کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی
حسد کی آگ کا تیز انجن عداوت کے گڑھوں کی طرف اُن کو کھینچے
لیئے جاتا ہے۔ یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو
نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ
کر دیا لہذا وہ اِس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ دنیا
سے مٹا دیں۔ اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے
تھے اس لیئے اُن کے مخالفوں نے بباعث اِس تکبر کے جو فطرتاً
ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں

دولت میں، مال میں، کثرتِ جماعت میں، عزت میں، مرتبہ میں دوسرے فرقے سے برتر خیال کرتے ہیں اُس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہ رضؓ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لیئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ اور اُن کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اِس مذہب کے پَیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے۔ سو اِسی خوف سے جو اُن کے دلوں میں ایک رعبناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اُن سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی اُن کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوعِ انسان کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کیئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ان برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے خونوں سے کوچے سُرخ ہو گئے پر اُنہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کیئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسولؐ کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر

اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دِلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑ کا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے مَیں سب کچھ دیکھ رہا ہوں مَیں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور مَیں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔"

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت پر ۱۸۹۲ء میں برطانوی ہند کے علماء نے فتویٔ کفر دیا اُس کی بنیادی وجہ حیاتِ مسیح ناصری سے انکار تھا۔ لیکن احمدیت کی پہلی صدی میں ہی اِس عقیدہ کو ایسی شکستِ فاش ہوئی کہ دَورِ حاضر کے بہت سے عرب زعماء حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طبعی وفات کے قائل ہو چکے ہیں اور مسیح کی آمدِ ثانی کے تخیّل کو بے بنیاد یقین کرتے ہیں اور جیسا کہ علامہ محمد عزت الطہطاوی نے اپنی کتاب "النصرانیہ والاسلام" (شائع کردہ مکتبۃ النور مصر ۱۴۰۷ھ) میں ذکر کیا ہے۔ اِن زعماءِ عرب میں الاستاذ الامام محمد عبدہٗ ، السید محمد رشید رضا ، فضیلۃ الاستاذ الشیخ محمد ابوزہرہ، الاستاذ الاکبر الشیخ محمد مصطفی المراغی شیخ الازہر، الاستاذ الاکبر الشیخ محمود شلتوت شیخ الازہر، الاستاذ محمد الغزالی، الاستاذ حسنی الزمزمی، اور الاستاذ امین عزّ العرب جیسی بلند پایہ علمی شخصیات شامل ہیں۔ ان

کے علاوہ الاستاد عباس محمود عقاد، سیّد قطب، رہنما الاخوان المسلمون، الدکتور محمود بن الشریف پروفیسر اکنامکس کالج مصر، سیّد محمد حسن وزارت معارف اور الشیخ عبداللہ القیشادی غزہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ (تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو خاکسار کا رسالہ "وفاتِ مسیح اور احیائے اسلام" ناشر نظارت اشاعت ربوہ)

لبنانی عالم الشیخ مصطفیٰ غلایینی نے "خیار المعقول فی سیرت الرسولؐ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت علیہ السلام تک ہر نبی نے ہجرت کی ہے۔ اور السید محمد رشید رضا نے رسالہ "المنار" جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۰-۹۰۱ میں اور السیّد عباس محمود العقاد نے "حیات المسیح فی التاریخ وکشوف العصر الحدیث"[۱] (مطبوعہ بیروت ۱۹۶۹ء) کے صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ میں تسلیم کیا ہے کہ عقلی، نقلی اور تاریخی اعتبار سے سرینگر کے محلہ خانیار میں واقع مقبرہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی کا ہے۔

اِن تفصیلات سے عیاں ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے جدید علمِ کلام نے عرب دُنیا کے مفکّرین و مدبّرین کے اذہان وقلوب میں تہلکہ مچا دیا ہے

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے وسط ۱۸۹۱ء میں یہ انکشاف کر کے پوری مسلم دنیا کو چونکا دیا کہ روس اور انگریز ہی یاجوج ماجوج ہیں (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۵۰۲ مطبوعہ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ / جولائی ۱۸۹۱ء) یہ نظریہ بھی عرب ملکوں میں روز بروز مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ چنانچہ علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر بن سعدی اور

---

[۱] اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب منہاج الدین اصلاحی صاحب نے کیا ہے اور پاکستان کواپریٹو بپلشرز لاہور نے چھپوایا ہے مگر افسوس قبر مسیح سے متعلق علامہ عقاد کے افکار اس میں سے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الشیخ عبداللہ بن زید آل محمود رئیس المحاکم الشرعیہ والشئون المدنیہ بدولۃ قطر (چیف جسٹس شرعی عدالت اور وزیر امور مذہبی قطر) برملا اس نظریہ کا اظہار کر چکے ہیں (رسالہ "لا مھدی ینتظر" از الشیخ عبداللہ بن زید آل محمود)

مدتوں سے عالم اسلام میں یہ خیال پرورش پا رہا تھا کہ جونہی مہدی موعود مطلع عالم پر نمودار ہوں گے ساری دنیا آپ پر فوراً ایمان لے آئے گی لیکن اب سرزمین عرب سے ہی یہ آوازیں اٹھنی شروع ہو چکی ہیں کہ اگر آج عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام ہی نہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ تشریف لے آئیں تو ان کی شدید مخالفت کی جائے گی۔ چنانچہ مصری عالم الاستاذ الحکیم الشیخ طنطاوی نے "الجواھر فی تفسیر القرآن" (جلد ۳ صفحہ ۱۱۲ طبع ثانی) میں اور علامہ عباس محمود العقاد نے کتاب "حیات المسیح" (صفحہ ۲۶۳/۲۶۶) میں انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور عراق کے مشہور عالم دین الشیخ محمد رضا الشبیبی فرماتے ہیں :-

وَ اَکْبَرُ ظَنِّیْ لَوْ اَتَانَا (مُحَمَّدٌ) لَلَاقَی الَّذِیْ لَاقَاہُ مِنْ اَھْلِ مَکَّۃِ

عَدَلْنَا عَنِ النُّوْرِ الَّذِیْ جَاءَنَا بِہٖ کَمَا عَدَلَتْ عَنْہُ قُرَیْشٌ فَضَلَّتِ

اِذَنْ لَقَضٰی لَا مَنْھَجُ النَّاسِ مَنْھَجِیْ وَلَا مِلَّۃُ الْقَوْمِ الْاَوَاخِرِ مِلَّتِ

("دیوان الشبیبی" صفحہ ۱۰۷ ناشر مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء)

یعنی میرا ظنِ غالب ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج ہمارے پاس تشریف لے آئیں تو آپؐ کو آج بھی اس قوم کے ہاتھوں اسی قسم کے مصائب اور انکار ہی سے دوچار ہونا پڑے گا جس طرح آپؐ اہلِ مکہ کے ہاتھوں دوچار ہوئے۔ کیونکہ ہم اس نور سے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے روگردانی کر چکے ہیں جس طرح قریش نے اس سے منہ پھیرا تھا اور گمراہی کے گڑھے

میں جا پڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھ کر یقیناً یہ فیصلہ کریں گے کہ ان لوگوں کا رستہ میرا رستہ نہیں اور نہ آخری زمانہ کے مسلمانوں کا مذہب میرا مذہب ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ابتداء دعویٰ مسیحیت میں ہی یہ پیشگوئی فرمادی تھی کہ:۔

"اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ٥ یعنی اے حسرت بندوں پر کہ ایسا کوئی نبی نہیں آتا جس سے وہ ٹھٹھا نہ کریں۔ ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں جابجا لکھا ہوا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کو لوگوں نے بالاتفاق مان لیا ہو۔ اب اگر حضرت مسیح بن مریم نے درحقیقت ایسے طور سے ہی اترنا ہے جس طور سے ہمارے علماء یقین کئے بیٹھے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے کوئی فردِ بشر انکار نہیں کر سکتا لیکن ہمارے علماء کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

(ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ طبع اوّل ۱۸۹۱ء)

اسی کتاب میں آپ نے اپنی جماعت کے مخلصین کو بتایا کہ:۔

"آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر ایک طرف سے کوشش ہو گی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دُکھ دے گا اور خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۴۴۶)

اس حقیقتِ ربانی کی بازگشت کس قوت وشوکت کے ساتھ مرکزِ اسلام میں سنائی دینے لگی ہے ؟ اس کا اندازہ دارالحدیث مکہ مکرمہ کے نامور مدرس علامہ محمد بن جمیل زینو کے مندرجہ ذیل بیان سے بآسانی لگ سکتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

علامة الفرقة الناجية

١- الفرقة الناجية هُم قلة بين الناس، دعا لهم الرسول صلى الله عليه وسلم بقوله: طوبى للغرباء: أناس صالحون، فى أناسٍ سوءٍ كثير، من يعصيهم اكثر ممن يُطيعهم، (صحيح رواه احمد) ولقد أخبر عنهم القرآن الكريم فقال مادحاً لهم:

'وقليلٌ مِن عبادى الشكور' (سورة سبا)

٢- الفرقة الناجية يعاديهم الكثير من الناس، ويفترون عليهم وينابزونهم الالقاب، ولهم أسوة بالأنبياء الذين قال الله عنهم:

'وكذلك جعلنا لكلّ نبى عدوّاً شياطين الانس والجنِ، يُوحى بعضُهم الى بعضٍ زُخرفُ لقول غُروراً ..' (سورة الانعام)، وهذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عنه قومه (ساحر كذاب) حينما دعاهم الى التوحيد، وكانوا قبل ذلك يسمونه الصادق الامين۔

("علامة الفرقة الناجية" صفحہ ۱۲ مولفہ علامہ محمد بن جمیل زینو)

(ترجمہ)

فرقہ ناجیہ کی علامت

۱۔ فرقہ ناجیہ دوسرے لوگوں کی نسبت اقلیت میں ہوگا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِس ارشادِ مبارک میں اسی کے لیئے یہ دعا کی ہے کہ غرباء کے لیئے مبارکی ہو۔ یہ صالح لوگ ہوں گے جو بدیوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے لوگوں کے درمیان ہوں گے۔ ان کی پیروی کرنے والے کم اور ان سے تعصب رکھنے والے بہت زیادہ ہوں گے۔
(یہ امام احمد بن حنبل کی صحیح روایت ہے۔)

قرآن کریم نے بھی ان کی خبر دی ہے اور ان کی تعریف میں فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہوتے ہیں (سورۃ سبا: ۱۴)

۲۔ لوگوں کی بھاری اکثریت فرقہ ناجیہ سے عداوت رکھتی ہے، ان کے خلاف افترا پردازی سے کام لیتی ہے اور انہیں بُرے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ اس کے لیئے انبیاء کا وجود مشعلِ راہ ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے سرکشوں کو اسی طرح ہر نبی کا دشمن بنا دیا تھا ان میں سے بعض بعض کو دھوکہ دینے کے لیئے (ان کے دل میں) بُرے خیال ڈالتے ہیں جو محض ملمع کی بات ہوتی ہے۔ (الانعام: ۱۱۲)

یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی تھی جس نے توحید کی طرف بُلایا تو آپؐ کی قوم نے آپؐ کو ساحر و کذّاب قرار دے دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ آپؐ کو الصادق الامین کے نام سے یاد کرتی تھی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے واضح اور فیصلہ کُن رنگ میں یہ صراحت فرمائی کہ:۔

"صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت مخاطبت الٰہیہ ہے
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ
کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی
آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اُس کی
کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔"

(حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۶۴۔ تاریخ اشاعت ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء)

وسط ایشیا کے متشدد مذہبی راہ نماؤں کے نزدیک نہ صرف حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کا دعویٰ معاذ اللہ شارع نبی کا ہے بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیئے نبی و رسول کے الفاظ کا استعمال شجرہ ممنوعہ سمجھتے ہیں اور عرب ذہن اور عرب دماغ کو مکمل طور پر اسی رنگ میں رنگین کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں مگر انہیں عربی مزاج کو اس عجمی فکر سے ہم آہنگ کرنے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جس پر عرب کی جدید تاریخ گواہ ہے۔ اس صدی میں اہلِ عرب نے "نبی" اور "رسول" کا لفظ جس رنگ میں مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیئے استعمال کیا ہے وہ ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ مصر کے صدر جمال عبد الناصر کے حادثۂ وفات پر اخبار الکویت (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۰ء) نے عربوں کے نامور قوم پرست شاعر نزار قبانی کا مرثیہ شائع کیا جس کا عنوان تھا "قتلناك يا آخر الانبياء" اے آخری نبی ہم نے تجھے قتل کر دیا۔ بیروت سے "القذافی رسول الصحراء" کے نام سے کرنل معمر قذافی صدر لیبیا کی سوانح حیات شائع کی گئی۔ کتاب کا آغاز جمال عبد الناصر کی عکسی تحریر سے ہوتا۔ یہ دراصل ایک اٹالین مصنفہ میریلا بیانکو کی کتاب کا عربی ترجمہ تھا جو عرب ملکوں میں بکثرت شائع کی گئی۔ اسی طرح نزار قبانی اپنی ایک رزمیہ نظم میں فلسطین کے سرفروش نوجوانوں کی تنظیم "الفتح" کی ترجمانی کرتے

کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

یا "فتح" نحن مکّة ننتظر الرسولا

سعیدہ انیس ماجد نے اس مصرعہ کو درج ذیل انگریزی الفاظ میں منتقل کیا ہے :۔

AL-FATAH, WE ARE THE MECCA OF THE PAST, AWAITING REDEMPTION WITH THE BIRTH OF THE PROPHET''

(رسالہ "فتح" مطبوعہ آزاد کشمیر پرنٹنگ پریس ۸۱/۴ شارع قائد اعظم لاہور)

یعنی الفتح !! ہم ماضی کے مکّہ ہیں اور نہایت شدّت سے ایک نبی کی پیدائش کا انتظار کر رہے ہیں۔

سعودی عرب کے مدارس میں ایک کتاب "القرأة الاعدادیه" داخل نصاب رہی ہے جس کا ایک باب گاندھی جی کے لیے مخصوص ہے جس میں اُن کی شان میں ایک قصیدہ بھی درج ہے جس کا ایک شعر یہ ہے :۔

نبیٌ مثل کنفیوشس ـــــ او مِن ذالک العهد

(بحوالہ اخبار رضائے مصطفیٰ ۱۵ر صفر المظفر ۱۳۷۹ھ صفحہ ۵۔ مطابق ۲۰ر اگست ۱۹۵۹ء)

یعنی گاندھی کنفیوشس کی طرح نبی ہیں یا اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۵۶ء میں بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض پہنچے تو محافظ الحرمین الشریفین جلالت الملک شاہ سعود نے اُن کا پُرجوش استقبال کیا اور "مرحبا نهرو رسول السلام" (پیغمبرِ امن)

کے فلک شگاف نعروں سے حجاز کی سرزمین گونج اُٹھی۔ پاکستانی علماء نے اس نعرہ پر سعودی حکومت سے احتجاج کیا جسے سعودی سفارت خانہ نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ لوگ عربی کی ابجد سے بھی واقف نہیں، عربی میں قاصد کو رسُول کہتے ہیں۔ (" تاریخی حقائق" صفحہ ۱۳۲-۲۰ مؤلفہ مولانا الحاج ابوداؤد محمد صادق صاحب ناشر رضویہ کتب خانہ چوک دالگراں لاہور)

رابطہ عالم اسلامی کے زیرِ اہتمام مکہ معظمہ میں ۲۰ ستمبر تا ۲۵ ستمبر ۱۹۷۵ء ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا بھر کے ممالک سے مسلم نمائندگان نے شرکت کی اور مقالے پڑھے کانفرنس میں مسجد کے حقیقی مقام سے اسلامی روایات کی روشنی میں متعارف کرایا گیا اور اس کا نام رکھا گیا " مؤتمر احیاء رسالة المسجد"۔ کانفرنس کی مکمل روداد " بحوث مؤتمر رسالة المسجد" کے عنوان سے جدہ سے چھپ چکی ہے۔ ظاہر ہے رسالت کے معنی یہاں پیغامبری کے ہیں۔

جہاں تک حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کا تعلق ہے برّ صغیر پاک و ہند کے غالی طائفوں کے مقابل عرب کے چوٹی کے اہلِ قلم حلقوں نے کس زاویہ نگاہ سے آپ کی تحریرات کا مطالعہ کیا ہے اور آپ کے دعویٰ کی حقیقت و نوعیت معلوم کی ہے اس کا ایک شاندار نمونہ ممتاز مصری عالم محمد سید کیلانی کا وہ نوٹ ہے جو آپ نے پانچویں صدی کے متکلم اسلام علامہ ابوالفتح محمد بن ابوبکر احمد الشہرستانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " الملل والنحل " کے ضمیمہ میں " الحركة القاديانية " کے عنوان سے سپردِ قلم فرمایا ہے۔ کتاب کا یہ ایڈیشن بیروت کے دار المعرفہ نے چودھویں صدی ہجری کے آخری سال شائع کیا تھا۔

علامہ محمد سید کیلانی اس حقیقت افروز نوٹ میں حضرت اقدس کی کتاب " انجام آتھم

کے حصّۂ عربی کے بعض اہم اقتباس درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

"ادعیٰ غلام احمد أنه المسیح الموعود ؛ بمعنی أنه جاء بقوة و روح عیسیٰ علیه السلام وأدعی أنه هو النبی الذی تنبأت بظهوره فی آخر الزمان أغلب الدیانات العظیمة ، وأكد أن القرآن هو آخر كتاب تشریعی موحی به من الله تعالیٰ ، وأن محمدا صلی الله علیه وسلم آخر الانبیاء المشرعین ، وأنه خاتم النبیین ، أی أنه لا یمكن لأی نبی غیر مشرّع أن یظهر بعده إلّا باتباعه اتباعا كاملا ، والتشبه به تشبها تاما ، وقد ادّعی أنه نبی ، وأن مهمته هی إقامة العلاقة بین الإنسان وخالقه ، كما أنه جاء أیضا لیفسّر القرآن و تعالیم الإسلام فی ضوء الوحی الإلٰهی بما یطابق العصر الحاضر ، ولیكون هو نفسه مثالا یبیّن الحیاة الإسلامیة ." (الملل والنحل" مجلد ثانی صفحہ ۶۲-۶۳)

(حضرت مرزا) غلام احمد نے دعویٰ کیا کہ وہ مسیح موعود ہیں ، ان معنوں میں کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوّت اور روح کے ساتھ آئے ہیں نیز دعویٰ کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جس کے آخری زمانہ میں ظہور کی اکثر بڑے مذاہب میں پیشگوئی کی گئی تھی ، اور اس بات کو بھی زوردار طریق سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ آخری شریعت قرآن مجید ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری

تشریعی نبی ہیں اور خاتم النبیّین ہیں۔ یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی اور آپؐ سے پوری مشابہت پیدا کئے بغیر کوئی غیر تشریعی نبی بھی ظاہر ہو سکے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہیں اور ان کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ انسان اور خالق کے درمیان تعلق قائم کریں، اور قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات کی وحی الٰہی کی روشنی میں ایسی تفسیر کریں جو زمانۂ حال کے تقاضوں کے مطابق ہو نیز یہ کہ وہ اپنے نمونہ سے مکمل اسلامی معاشرہ کو ظاہر کریں۔ (ترجمہ)

سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی دور میں بعض لوگوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اہلِ عرب آپ کی دعوت کو ہرگز نہیں سُنیں گے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ نے اپنی کتاب نور الحق حصہ دوم صفحہ ۱۹ مطبوعہ (۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء) میں اس کے جواب میں اپنے قلمِ مبارک سے لکھا:۔

"اَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْعَرَبِیِّیْنَ سَابِقُوْنَ فِیْ قُبُوْلِ الْحَقِّ مِنَ الزَّمَانِ الْقَدِیْمِ بَلْ ھُمْ کَاَصْلٍ فِیْ ذَالِکَ وَ غَیْرُھُمْ اَغْصَانُھُمْ ثُمَّ نَقُوْلُ اَنَّ ھٰذَا فِعْلُ اللّٰہِ رَحْمَۃً مِّنْہُ وَالْعَرَبُ اَحَقُّ وَ اَوْلٰی وَ اَقْرَبُ بِرَحْمَتِہٖ وَاِنِّیْ اَجِدُ رِیْحَ فَضْلِ اللّٰہِ"

ترجمہ:۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ عرب کے لوگ حق قبول کرنے میں ہمیشہ اور قدیم زمانہ سے پیشدست رہے ہیں بلکہ وہ اس بات میں جڑ کی طرح ہیں اور دوسرے اُن کی شاخیں ہیں، پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کاروبار خدا تعالےٰ

کی طرف سے ایک رحمت ہے اور عرب کے لوگ الٰہی رحمت کو قبول کرنے کے لیئے سب سے زیادہ حقدار اور قریب اور نزدیک ہیں اور مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کی خوشبو آرہی ہے۔

برِّصغیر پاک و ہند

برِّصغیر پاک و ہند مذاہب عالم کا عجائب گھر ہے۔ اسی مبارک خطّہ میں حضرت بانیٔ احمدیت پیدا ہوئے اور اسی میں اپنی عالمگیر دعوت کا آغاز فرمایا اور یہیں سے آپ کا انقلاب انگیز لٹریچر چھپ کر اکنافِ عالم تک پہنچا اور اسی سے دنیا بھر کے مفکروں اور مذہبی راہ نماؤں کو آپ کے جدید علمِ کلام سے تعارف ہوا۔

غلبۂ دین کا رُوح پرور نظارہ

اِس علم کلام نے آپ کے دعویٔ مسیحیت و مہدویت کے چھ سال کے اندر اندر مذاہبِ عالم سے اپنی برتری کا لوہا منوالیا۔ تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان کے مشہور مذہبی نمائندے دسمبر ۱۸۹۶ء میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور لاہور میں شہرۂ آفاق مذاہب کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کانفرنس میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا رقم فرمودہ مقالہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" دیگر تمام مضامین پر بالا رہا۔ اور وسطی ایشیا میں اس کی دھوم مچ گئی۔

اِس تاریخی حقیقت کے ثبوت میں اُس دور کے مسلم پریس کی نمونۃً صرف دو آراء ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں۔

ا۔ کلکتہ کے اخبار "جنرل و گوہر آصفی" (کلکتہ) نے ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں "جلسۂ اعظم منعقدہ لاہور" اور "فتح اسلام" کے دوہرے عنوان سے لکھا:۔

"چونکہ ہمارے اخبار کے کالم اس جلسہ کے متعلق ایک خاص دلچسپی ظاہر کر چکے ہیں لہذا ہم اپنے شائق ناظرین کو اس کے درجہ آخر مختصر حالات سے اطلاع دینی ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک ہم نے دریافت کیا ہے ہر ایک طالب حق کو اس جلسہ کی حالت معلوم کرنے کے لیئے بڑا ہی شائق پایا ہے۔ کون دل ہوگا جو حق کا متلاشی نہ ہوگا۔ کون آنکھ ہوگی جو حق کی چمک دیکھنے کے لیئے تڑپتی نہ ہوگی؟ کون دماغ ہوگا جو حق کی جانچ پڑتال کی طرف مائل نہ ہوگا۔ پھر ہم یہ کیونکر امید نہیں کر سکتے کہ اپنی ناظرین کی روحیں اس جلسہ کی کارروائی کی دریافت کے لیئے مضطر نہ ہونگی۔ کیا اس اضطرار کو دفع کرنا ہمارا فریضہ نہیں۔ بے شک ہے اور ضرور ہے اور اسی لیئے ہے جو ہم نے خاص انتظام کر کے اس جلسہ کے حالات کو دریافت کیا ہے جنہیں ہم اب ہدیۂ ناظرین کیا چاہتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم کارروائی جلسہ کی نسبت گفتگو کریں ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہمارے اخبار کے کالموں میں جیسا کہ اسکے ناظرین پر واضح ہوگا یہ بحث ہو چکی ہے کہ اس جلسہ اعظم مذاہب میں اسلامی وکالت کے لیئے سب سے زیادہ لائق کون شخص تھا۔ ہمارے ایک معزز نامہ نگار صاحب نے سب سے پہلے خالی الذہن ہو کر اور حق کو مدِ نظر رکھ کر حضرت مرزا

غلام احمد صاحب رئیس قادیان کو اپنی رائے میں منتخب فرمایا تھا۔ جن کے ساتھ ہمارے اور ایک مکرم مخدوم نے اپنی مراسلت میں تواردًا اتفاق ظاہر کیا تھا۔ جناب مولوی سید محمد فخرالدین صاحب فخر نے بڑے زور کے ساتھ اس انتخاب کی نسبت جو اپنی آزاد، مدلّل اور بیش قیمت رائے پبلک کے پیش فرمائی تھی اُس میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان۔ جناب سر سیّد احمد صاحب آف علیگڈھ کو انتخاب فرمایا تھا اور ساتھ ہی اِس اسلامی وکالت کا قرعہ حضرات ذیل کے نام نکالا تھا۔ جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔ جناب مولوی حاجی سید محمد علی صاحب کانپوری اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے ایک لوکل اخبار کے ایک نامہ نگار نے جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنّف تفسیر حقانی کو اِس کام کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ ہم اپنے ناظرین کو یہ بھی معلوم کرانا چاہتے ہیں کہ سوامی شوگن چندر نے انعقاد جلسہ سے پہلے اپنے اشتہار واجب الاظہار کے ذریعے علمائے مذاہب مختلفہ ہند کو بہت عار دلا دلا کر اپنے اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لیے طلب کیا تھا اور جس جوش سے اور عار دلانے والے طریق سے اُنھوں نے طلب کیا تھا اس کا ٹھیک اندازہ انہیں کی عبارت سے کیا جا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں :۔

"ہر ایک قوم کے بزرگ واعظ جانتے ہیں کہ اپنے مذہب کی سچائی کو ظاہر کرنا اُن پر فرض ہے۔ پس جس حالت میں اِس غرض

کے لیئے یہ جلسہ انعقاد پایا ہے کہ سچائیاں ظاہر ہوں تو خدا نے اُن کو اِس فرض کے ادا کرنے کا اب خوب موقع دیا ہے جو ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ میرا دل اِس بات کو قبول کر نہیں سکتا کہ اگر ایک شخص سچا جوش اپنے مذہب کے لیئے رکھتا ہو اور فی الواقع اِس بات میں ہمدردی انسانوں کی دیکھتا ہوں کہ ان کو اپنے مذہب کی طرف کھینچے تو پھر وہ ایسی نیک تقریب میں جبکہ صدہا مہذب اور تعلیمیافتہ لوگ ایک عالمِ خاموشی میں بیٹھ کر اس کے مذہب کی خوبیاں سُننے کے لیئے تیار ہوں گے ایسے مبارک وقت کو ہاتھ سے دیدے۔ کیا مَیں قبول کر سکتا ہوں کہ جو شخص دوسروں کو ایک مہلک بیماری میں خیال کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی سلامتی میرے دوا میں ہے اور بنی نوع کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتا ہے وہ ایسے موقع میں جو غریب بیمار اُس کو علاج کے لیئے بُلاتے ہیں وہ دانستہ پہلو تہی کرے۔ میرا دل اِس بات کے لیئے تڑپ رہا ہے کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کونسا مذہب درحقیقت سچائیوں اور صداقتوں سے بھرا ہوُا ہے۔ اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ مَیں اپنے اس سچّے جوش کو بیان کر سکوں۔ میرا قوم کے بزرگ و اعظموں اور جلیل الشان حامیوں پر کوئی حکم نہیں صرف اُن کی خدمت میں سچائی ظاہر کرنے کے لیئے ایک عاجزانہ التماس ہے۔ مَیں اِس وقت مسلمانوں کے معزز علماء کی خدمت میں اُن کے خدا کی قسم دیکر بادب التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنا مذہب منجانب اللہ جانتے ہیں تو اس موقع پر اپنے اُسی نبی کی عزّت کے لیئے جس کے فدا شدہ وہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اِس

جلسہ میں حاضر ہوں۔ اسی طرح بخدمت پادری صاحبان نہایت ادب اور انکساری سے میری التماس ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کو فی الواقع سچّا اور انسانوں کی نجات کا ذریعہ خیال کرتے ہیں تو اس موقعہ پر ایک اعلیٰ درجہ کا بزرگ اُن میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سُناتے کے لیئے جلسہ میں تشریف لاویں۔ مَیں نے جیسا کہ مسلمانوں کو قسم دی ایسا ہی بزرگ پادری صاحبوں کو حضرت مسیح کی قسم دیتا ہوں اور انکی محبّت اور عزّت اور بزرگی کا واسطہ ڈالکر خاکساری کے ساتھ عرض پرداز ہوں کہ اگر کسی اَور نیّت کیلئے نہیں تو اس قسم کی عزّت کے لیئے ضرور اِس جلسہ میں ایک اعلیٰ بزرگ اُن میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کیلئے تشریف لاویں۔ ایسا ہی مَیں اپنے بھائیوں آریہ سماج والوں کی خدمت میں اُس پرمیشر کی قسم دیکر جس نے وید مقدس کو اُتپت کیا عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ اِس جلسہ میں ضرور کوئی اعلیٰ واعظ اُن کا تشریف لاکر وید مقدس کی خوبیاں بیان کرے۔ اور ایسا ہی سناتن دھرم اور برہمو صاحبان وغیرہ کی خدمت میں اسی قسم کے ساتھ التماس ہے۔ پبلک کو اِس اشتہار کے بعد ایک فائدہ بھی حاصل ہوگا کہ اِن تمام قوموں میں سے کس قوم کو درحقیقت اپنے خدا کی عزّت اور قسم کا پاس ہے اور اگر اس کے بعد بعض صاحبوں نے پہلوتہی کی تو بلاشبہ اُن کا پہلوتہی کرنا گویا اپنے مذہب کی سچائی سے انکار ہے" انتہی

اب ہمارے ناظرین کو غور کرنا چاہیئے کہ اِس جلسے کے اشتہاروں وغیرہ کے دیکھنے اور دعوتوں کے پہنچنے پر کن کن علمائے ہند کی رگِ حمیّت نے مقدس دین اسلام کی وکالت کے لیئے جوش

کھایا۔ اور کہاں تک انہوں نے اسلامی حمایت کا بیڑا اٹھا کر حجج و براہین کے ذریعے فرقانی ہیبت کا سکّہ غیر مذاہب کے دل پر بٹھانے کیلئے کوشش کی ہے۔

ہمیں معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ کارکنانِ جلسہ نے خاص طور پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور سر سیّد احمد صاحب کو شریکِ جلسہ ہونے کے لیئے خط لکھا تھا تو حضرت مرزا صاحب نے گو علالتِ طبع کی وجہ سے بنفسِ نفیس شریکِ جلسہ نہ ہو سکے مگر اپنا مضمون بھیج کر اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو اس کی قرأت کے لیئے مقرر فرمایا۔ لیکن جناب سر سیّد نے شریکِ جلسہ ہونے اور مضمون بھیجنے سے کنارہ کشی فرمائی۔ یہ اس بناء پر نہ تھا کہ وہ معمّر ہو چکے اور ایسے جلسوں میں شریک ہونے کے قابل نہ رہے ہیں اور نہ اس بناء پر تھا کہ انہیں ایّام میں ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد میرٹھ مقرر ہو چکا تھا بلکہ یہ اس بناء پر تھا کہ مذہبی جلسے ان کی توجّہ کے قابل نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی چٹھی میں جس کو ہم انشاء اللہ اپنے اخبار میں کسی اور وقت درج کریں گے صاف لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی واعظ یا ناصح یا مولوی نہیں یہ کام واعظوں اور ناصحوں کا ہے۔ جلسے کے پروگرام کے دیکھنے اور نیز تحقیق کرنے سے ہمیں یہ پتہ ملا ہے کہ جناب مولوی سیّد محمد علی صاحب کانپوری، جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب دہلوی اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی نے اس جلسہ کی طرف کوئی جوشیلی توجّہ نہیں فرمائی اور نہ ہمارے مقدّس زمرۂ علماء سے کسی اور لائق فرد نے اپنا مضمون پڑھنے یا پڑھوانے کا عزم بتایا۔ ہاں دو ایک عالم

صاحبوں نے بڑی ہمت کر کے ما نحن فیہا میں قدم رکھا مگر
اُلٹا۔ اس لیئے انہوں نے یا تو مقرر کردہ مضامین پر گفتگو
نہ کی یا بے سرو پا کچھ ہانک دیا۔ جیسا کہ ہماری آئندہ کی رپورٹ
سے واضح ہوگا۔ غرض جلسہ کی کارروائی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف
ایک حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان تھے جنہوں
نے اس میدان مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا
ہے اور اس انتخاب کو راست کیا ہے جو خاص آپ کی
ذات کو اسلامی وکیل مقرر کرنے میں پشاور۔ راولپنڈی۔ جہلم۔
شاہ پور۔ بھیرہ۔ خوشاب۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ وزیر آباد۔ لاہور۔
امرتسر۔ گورداسپور۔ لودھیانہ۔ شملہ۔ دہلی۔ انبالہ۔ ریاست پٹیالہ کپورتھلہ
ڈیرہ دون۔ الہ آباد۔ مدراس۔ بمبئی۔ حیدرآباد دکن بنگلور وغیرہ بلادِ
ہند کے مختلف اسلامی فرقوں سے وکالت ناموں کے ذریعے مزین بدستخط
ہو کر وقوع میں آیا۔ حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس جلسے میں حضرت
مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب
والوں کے روبرو ذلّت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا
کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا بلکہ
اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین
تو موافقین مخالفین بھی سچّی فطرتی جوش سے کہہ اُٹھے کہ یہ
مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔ صرف اِسی قدر نہیں
بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا
کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی جو

انتخاب تیر بہدف کی طرح روز روشن میں ٹھیک نکلا۔ اب اس کی مخالفت میں دم زدن کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے فخر و ناز کا موجب ہے۔ اس لیئے کہ اس میں اسلامی شوکت ہے اور اسی میں اسلامی عظمت اور حق بھی یہی ہے۔

اگرچہ جلسہ اعظم مذاہب کا ہند میں یہ دوسرا اجلاس تھا لیکن اس نے اپنی شان و شوکت اور جاہ و عظمت کی رُو سے سارے ہندوستانی کانگرسوں اور کانفرنسوں کو مات دیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف بلاد کے رؤساء اس میں شریک ہوئے۔ اور ہم بڑی خوشی کے ساتھ یہ ظاہر کیا چاہتے ہیں کہ ہمارے مدراس نے بھی اس میں حصہ لیا ہے جلسہ کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ مشتہرہ تین دن پر ایک دن بڑھانا پڑا۔ انعقادِ جلسہ کے لیئے کارکن کمیٹی نے لاہور میں سب سے بڑی وسعت کا مکان اسلامیہ کالج تجویز کیا لیکن خلق خدا کا اژدہام اسقدر تھا کہ مکان کی (وسعت) غیر مکتفی ثابت ہوئی۔ جلسہ کی عظمت کا یہ کافی ثبوت ہے کہ کُل پنجاب کے عمائدین کے علاوہ چیف کورٹ پنجاب اور ہائی کورٹ الہ آباد کے آنریبل ججز بابو پرتول چندر صاحب اور مسٹر بنرجی نہایت خوشی سے شریک جلسہ ہوئے۔ اس جلسے کیلیئے سابق چھ پریذیڈنٹ مقرر ہو چکے تھے جن کے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) رائے بہادر بابو پرتول چندر چٹرجی چیفکورٹ پنجاب۔
(۲) خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج اسمال کاز کورٹ لاہور۔
(۳) رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیف کورٹ و سابق گورنر جموں (۴) سردار دیال سنگھ صاحب رئیس اعظم مجیٹھہ

(۵) رائے بہادر بھوانیداس صاحب افسر بندوبست ضلع جہلم۔
(۶) حکیم مولوی نورالدین صاحب سابق طبیب شاہی مہاراجہ صاحب بہادر والئ کشمیر۔ اور یہی مولوی صاحب تھے جو اختتام جلسہ پر خاتمہ کی تقریر کرنے کے لیئے مقرر کیئے گئے تھے۔"

۲۔ اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی نے یکم فروری ۱۸۹۷ء کے شمارہ میں "جلسہ اعظم مذاہب" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :۔

"..... ان لیکچروں میں سب سے عمدہ اور بہترین لیکچر جو جلسہ کی روحِ رواں تھا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا لیکچر تھا جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ ۲۷ر دسمبر کو قریباً ۴ گھنٹے اور ۲۹ر کو ۲ گھنٹہ تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹہ میں یہ لیکچر تمام ہوا جو حجم میں سو صفحہ کلاں تک ہو گا۔ غرضکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لیئے حاضرین سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آیند لیکچر نہیں سُنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دیئے سچ تو یہ ہے کہ جلسہ کے مستفسرہ سوالوں کے جواب بھی نہیں تھے۔ عموماً سپیکر صرف چوتھے سوال پر ہی رہے اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی کم مس کیا۔ اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے بھی تھے جو بولتے تو بہت تھے مگر اس میں جاندار

بات ایک آدھ ہی ہوتی۔ تقریریں عموماً کمزور سطحی خیالات کی تھیں بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو اُن سوالات کا علیحدہ علیحدہ مفصل اور مکمل جواب تھا اور جس کو حاضرین جلسہ نے نہایت ہی توجہ اور دلچسپی سے سُنا اور بڑا بیش قیمت اور عالی قدر خیال کیا۔ ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں نہ اُن سے ہم کو کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی سلیم فطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے کُل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے۔ اور تمام بڑے بڑے اصول و فروع اسلام کو دلائل عقلیہ اور براہینِ فلسفہ کے ساتھ مبرہن اور مزین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الٰہیات کے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائلِ قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظِ قرآنی کی فلالوجی اور فلاسوفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی۔ غرضکہ مرزا صاحب کا لیکچر بہ ہیئتِ مجموعی ایک مکمل اور حاوی لیکچر تھا جس میں بے شمار معارف و حقائق و حکم و اسرار کے موتی چمک رہے تھے اور فلسفۂ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہلِ مذاہب ششدر رہ گئے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال اُوپر نیچے سے بھر رہا تھا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر سپیکروں کے لیکچروں میں امتیاز کے لئے اس قدر کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اِس قدر آ گری جیسے شہد

پر مکھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بےلطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اُٹھ جاتے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا۔ وہی ملّانی خیالات تھے جن کو ہم لوگ ہر روز سنتے ہیں اُس میں کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے حصہ لیکچر کے وقت پر کئی شخص اُٹھ کر چلے گئے تھے مولوی ممدوح کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لیئے لالہ دُرگا پرشاد صاحب نے اپنے آپ دس پندرہ منٹ اجازت دے دی۔ غرضکہ وہ لیکچر ایسا پُر لطف اور ایسا عظیم الشان تھا کہ بجز سُننے کے اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مرزا صاحب نے انسان کی پیدائش سے لے کر معاد تک ایسا مسلسل بیان فرمایا اور عالم برزخ اور قیامت کا حال ایسا عیاں فرمایا کہ بہشت و دوزخ سامنے دکھا دیا۔ اسلام کے بڑے سے بڑے مخالف اُس روز اس لیکچر کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ چونکہ وہ لیکچر عنقریب رپورٹ میں شائع ہونے والا ہے اس لئے ہم ناظرین کو شوق دلاتے ہیں کہ اس کے منتظر رہیں۔ مسلمانوں میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا طرزِ بیان بھی کسی قدر اچھا تھا لیکن لیکچر عموماً وعظ کی قسم کا تھا فلسفیانہ ڈھنگ کا نہیں تھا جس کی جلسہ کو ضرورت تھی۔

..... بہر حال اس کا شکر ہے کہ اس جلسہ میں اسلام کا بول بالا رہا۔ اور تمام غیر مذاہب کے دلوں پر اسلام کا سکّہ بیٹھ گیا۔ گو زبان سے وہ اقرار کریں یا نہ کریں"

پادریوں کی عالمگیر شکست

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا بنیادی مشن کسرِ صلیب تھا اس لیئے آپ کے جدید علمِ کلام کا براہِ راست نشانہ عیسائیت ہی تھی جو آپ کے عقلی و نقلی دلائل سے پاش پاش ہوگئی۔ چنانچہ مولانا نور محمد صاحب نقشبندی تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بڑی جماعت لے کر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہوکر بڑا تلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرت و احکام پر جو اُس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا۔ کیونکہ احکامِ اسلام و سیرتِ رسول ؐ اور انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر اُس کا ایمان تھا یکساں تھے۔ پس الزامی و نقلی و عقلی جوابوں سے ہار گیا مگر حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان پر جسمِ خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاءؑ کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لیئے اُسکے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہوگئے اور لیفرائے اور اُس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح سے فوت ہوکر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں اور اگر تم سعادتمند ہو تو مجھ کو قبول کرلو۔ اس ترکیب سے اُس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا اور اس ترکیب سے

اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی" (دیباچہ معجز نما کلاں قرآن شریف اصح المطابع دہلی مطبوعہ ۱۹۳۴ء)

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے حضرت بانی سلسلہ کے انتقال پر اخبار "وکیل" میں آپ کی دینی خدمات پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے رقم فرمایا :-

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا، جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی، جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کیلئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کے خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔۔۔۔۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے اور مٹانے کے لیئے اُسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کرکے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کرکے دکھا جاتے ہیں۔"

"میرزا صاحب کی اِس رفعت نے اُن کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا

ایک بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔

ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اِس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔"

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لیئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالمِ اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لیئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دُنیا اسلام کی شمع عرفانِ حقیقی کو سرِ راہِ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پُشت گری کے لیئے ٹوٹی پڑتی تھیں اور دوسری

طرف ضعفِ مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا[1]۔۔۔۔۔ کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اُس کے اِس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھُواں ہو کر اُڑنے لگا۔ ۔۔۔۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھے گی کہ انھوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ اُن کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

۔۔۔۔۔۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے۔ اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظیر

---

[1] ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایم اے، ایم بی بی ایس امیر تنظیم اسلامی پاکستان لکھتے ہیں "ملتِ اسلامی کا قصر گویا دفعۃً زمین پر آ رہا اور اسلام اور مسلمان دونوں اپنے زوال اور انحطاط کی آخری حدوں تک پہنچ گئے۔" (عرضِ افکندم صفحہ ۲۱ ناشر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی لاہور جون ۱۹۷۹ء)

غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ
میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان
مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی اُن
میں بہت مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد
کا، ذوقِ مطالعہ اور کثرتِ مشق کا۔ آئندہ امید نہیں ہے کہ ہندوستان
کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں
محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔[ہ]"

مولانا صاحب نے اس کے بعد اخبار وکیل کے ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء کے پرچہ
میں ایک اور شذرہ سپردِ قلم فرمایا جس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے :۔

"اگرچہ مرزا صاحب نے علومِ مروّجہ اور دینیات کی باقاعدہ
تعلیم نہیں پائی تھی مگر اُن کی زندگی اور زندگی کے کارناموں کے
مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے
تھے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے مطالعہ
اور فطرتِ سلیم کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا۔
۱۸۷۱ء کے قریب جبکہ اُن کی ۳۵-۳۶ سال کی عمر تھی ہم اُن کو
ایک غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے
اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل
دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے اور خلوت میں انجمن
اور انجمن میں خلوت کا لطف اٹھانے کی کوشش میں مصروف

ہ بحوالہ بدر ۱۸ جون ۱۹۰۸ صفحہ ۳۰۲۔

ہے۔ ہم اُسے بےچین پاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے کبھی حمایت و حقیقتِ اسلام میں وہ مبسوط کتابیں لکھتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیارپور آریوں سے جو مباحثات انھوں نے کئے تھے اُن کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔ غیر مذاہب کی تردید اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انھوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا۔ اُن کی ایک کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کردیا اور اسلامیوں کے دل بڑھائے اور مذہب کی پیاری تصویر کو اُن آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا جو مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔ غرضکہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک گونج پیدا کردی جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آرہی ہے۔ گو بعض بزرگانِ اسلام اب براہین احمدیہ کے بُرا ہونے کا فیصلہ دے دیں محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں اور بطور حفظِ ماتقدم اپنے آئندہ دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کرلیا تھا لیکن اسکے بہترین فیصلہ کا وقت ۱۸۸۰ء تھا جبکہ وہ کتاب شائع ہوئی مگر اُس وقت

مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے..... کیریکٹر کے لحاظ سے ہمیں مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا ایک چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضکہ مرزا صاحب کی زندگی کے ابتدائی پچاس سالوں نے کیا بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار۔ کیا بلحاظ مذہبی خدمات و حمایت دین مسلمانانِ ہند میں اُن کو ممتاز "برگزیدہ اور قابلِ رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔" (اخبار وکیل امرتسر ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱)

عظیم فکری انقلاب

برِّ صغیر میں سیّدنا حضرت اقدس کے بلند پایہ لٹریچر اور جدید علمِ کلام سے جو عظیم فکری و علمی انقلاب رونما ہو چکا ہے وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔

اِس انقلاب کا معروضی مطالعہ کرتے ہوئے تین گوشے بہت نمایاں اور واضح طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں اور تینوں ہی اپنی ذات میں نہایت درجہ اہمیت رکھتے ہیں۔

پہلا گوشہ یہ ہے کہ غیر از جماعت اہلِ قلم اور مفکّرین کی طرف سے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے جدید علمِ کلام کے بعض نکات پر مستقل تصانیف شائع کی گئی ہیں۔ مثلاً عقیدہ نسخ فی القرآن کے ردّ میں علامہ رحمت اللہ صاحب طارق کی معرکہ آرا کتاب "تفسیر منسوخ القرآن" ایک قابلِ قدر تصنیف

ہے جو ستمبر ۱۹۷۲ء میں ادارہ ادبیاتِ اسلامیہ ملتان کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔
مقامِ خاتم النبییّن کے تعلق میں مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب "آفتابِ نبوّت" اور "خاتم النبییّن" سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے نقطۂ نظر کی بہترین عکّاسی ہوتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے پی ایچ ڈی کی تالیف "دو قرآن" قرآن مجید کے متعلق حضور کے اس بلیغ فقرہ کی بصیرت افروز تفصیل ہے کہ (قرآن) "قانونِ فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے" (براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۹۱-۹۲ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)
نذیر الحق صاحب میرٹھی نے اپنی کتاب "یاجوج ماجوج" میں اور جناب علی اکبر صاحب نے "اسرائیل قرآنی پیش گوئیوں کی روشنی میں" دجال اور یاجوج ماجوج کے ظہور پذیر ہونے کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے وہ حضور ہی کے علمِ کلام سے مستعار لیا گیا ہے۔ مقدم الذکر کتاب فیروز سنز لاہور کی اور مؤخر الذکر مکتبہ شاہکار لاہور کی مساعی سے منظرِ عام پر آئی ہے۔
اسی طرح کشمیر کے ریسرچ سکالر محمد یسین صاحب ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی نے ۱۹۷۲ء میں کتاب MYSTERIES OF KASHMEER (کشمیر کے سربستہ راز) شائع کی جس میں تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام واقعۂ صلیب کے بعد کشمیر میں ہجرت کر کے تشریف لے آئے تھے اور سرینگر محلہ خانیار میں بلاشبہ آپ ہی کا مزارِ مبارک ہے نیز بتایا کہ اس انکشاف کا سہرا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہی کے سر ہے چنانچہ فاضل مؤلف تحریر فرماتے ہیں:-

"It was Mirza Ghulam Ahmad of Qadian (1835-1908), the founder of the Ahmadiyya Movement in Islam, who for the first time wrote his treatise "*Masih Hindustan mein*" in 1899 A.D. and pointed out that Jesus Christ did not die on the Cross nor he ascended to Heaven alive. Instead, Jesus went over to Kashmir, died a natural death and is buried there in Srinagar. Mirza Ghulam Ahmad told a truth but his religious zeal blurred the real issue. The Mirza used this discovery to demolish Christian doctrines and to establish his own mission."

(صفحہ ۱۱ دیباچہ - ناشر قیصر پبلشرز سرینگر ۱۹۷۲ء)

یہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (۱۸۳۵ء-۱۹۰۸ء) بانی سلسلہ احمدیہ ہی تھے جنہوں نے اپنی جامع کتاب "مسیح ہندوستان میں" جو آپ نے ۱۸۹۹ء میں لکھی پہلی بار اس امر کی نشاندہی کی کہ (حضرت) یسوع مسیح نہ تو صلیب پر فوت ہوئے اور نہ آسمان پہ چلے گئے بلکہ آپ کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے اور وہیں طبعی طور پر وفات پائی اور سرینگر میں دفن کئے گئے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے ایک حقیقت بیان کی تھی لیکن اُن کے مذہبی جوش نے اصل مسئلہ کو دھندلا دیا۔ مرزا صاحب نے اس دریافت کو عقائدِ عیسائیت کو پاش پاش کرنے اور خود اپنے سلسلہ کو قائم کرنے کے لئے استعمال کیا۔

حیدر آباد دکن سے اگست ۱۹۴۷ء میں علامہ میرزا ابوالفضل بن فیاض علی شیرازی کی کتاب "غریب القرآن فی لغات القرآن" طبع ہوئی اور اب پاکستان میں قانونی کتب خانہ کچہری بازار لاہور نے بھی چھپوا دی ہے۔ یہ قرآنی لغت پر ایک مستند کتاب ہے جس سے بلا مبالغہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے افکار و

خیالات کی فتح کے نقارے بج گئے ہیں - اور معراج ، خاتم ، رفع ، توفّی ، ہُدہُد ، تابوت ، جن ، قمر ، شبہ ، قتلِ نفس ، ربوہ ، کشف ساق ، شق قمر ، مع ، نزول ، نمل اور وحی ، وغیرہ متعدد الفاظ کی تشریح میں احمدیت کے نقطۂ نگاہ کی برتری نمایاں ہو گئی ہے ۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کاسرِ صلیب کی حیثیت سے صلیبی فتنہ کے خلاف دلائل و براہین کا زبردست اسلحہ خانہ یادگار چھوڑا ہے جس سے دجّالیّت کی دھجیاں فضائے بسیط میں ہمیشہ کے لئے بکھر گئی ہیں - یہی وجہ ہے کہ پادریوں کی یلغار کو روکنے کے لیئے آپ کا علمِ کلام ہی سب سے کارگر ہتھیار ثابت ہوتا ہے جس کا ایک نمونہ کتاب "آئینۂ حقائقِ قرآن" ہے جو اسلامی مشن سنت نگر لاہور نے پادری سلطان احمد صاحب کے چودہ سوالوں کے جواب میں شائع کی ہے - کتاب اوّل سے آخر تک احمدی علمِ کلام سے مسلّح ہے اور اس کی اثر انگیزی ، برجستگی اور تاثیر کا سب راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے ۔

دوسرا گوشہ فکری و قلمی انقلاب کا یہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے دینی افکار و خیالات نے آپ کی ہمعصر نامور شخصیات کے لٹریچر پہ گہرا اثر ڈالا ہے جن میں سے تین خاص طور پہ قابلِ تذکرہ ہیں - شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد - مولانا ابوالجمال احمد مکرم صاحب عباسی چریاکوٹی -

شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں جو رسالہ دی انڈین اینٹی کویری ( )

جلد ۲۹ ستمبر ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو جدید ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑا دینی مفکر تسلیم کیا - احمدیت کے بنیادی مسئلہ مسیح ناصریؑ کی وفات اور اُن کے مثیل کے ظہور کا تخیل اُن کی نگاہ میں معقولیت کا پہلو لیئے ہوئے تھا

جس کا انہوں نے برملا اظہار فرمایا۔ اخبار الحکم (قادیان) نے ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں "شرفِ ہندوستان" کے زیرِ عنوان اُن کا کلام چھپا جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

گوتم کا جو وطن ہے جاپان کا حرم ہے
عیسیٰؑ کے عاشقوں کا چھوٹا یروشلم ہے (صفحہ ۱۲)

علامہ نے دوسرے مصرعہ پر حاشیہ میں تحریر فرمایا "بعض کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام بھی کشمیر میں مدفون ہیں"

آپ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اس تحقیق سے پوری طرح متفق تھے کہ بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو گئے تھے۔ جناب محمد عبداللہ قریشی کا بیان ہے کہ "اقبال کشمیریوں کو یہودی تصور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اُن کے عادات و خصائل اور شکل و شمائل افغانوں سے ملتے جلتے ہیں جو بنی اسرائیل ہیں اور اس معاملے میں اُن کو یہاں تک غلو تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کے پاس ایک یادداشت بھیجنی چاہیئے جس کا مضمون یہ ہو کہ تم بھی بنی اسرائیل ہو اور کشمیر کے لوگ بھی۔ ان کو دوہری غلامی سے نجات دلا کر نیکی اور بھلائی کی مستقل یادگار چھوڑ جائیے" ("حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں" صفحہ ۱۶۲۔ از محمد عبداللہ قریشی۔ ناشر بزم اقبال کلب روڈ لاہور طبع اوّل مئی ۱۹۸۲ء)

علامہ سر اقبال کی نظموں میں احمدی نظریات کے نقوش کا سراغ لگانا کوئی مشکل امر نہیں صرف چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

؎ ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے ابھی باقی مگر شانِ جمالی کا ظہور

(بانگِ درا صفحہ ۱۶۵)

؎ کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ یَنْسِلُوْن

(بانگِ درا صفحہ ۲۴۴)

؎ مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طُور سے آتی ہے بانگِ لَا تَخَفْ

؎ نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے مَیں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

(بانگِ درا صفحہ ۱۵۰)

یہ قدسی جماعت احمدیہ کے سوا اور کون ہیں جس کے بانی نے خدا سے حکم پاکر دعویٰ مسیحیت کی پہلی کتاب "فتح اسلام" میں ہی یہ پُر شوکت پیشگوئی فرمادی تھی :-

"سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لیئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا۔"

("فتح اسلام" طبع دوم صفحہ ۸ طبع اول ۱۸۹۱ء طبع دوم ۱۸۹۷ء)

جناب مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر "ترجمان القرآن" میں آیت وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کے معنی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے علم کلام کے عین مطابق کیئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

"(نیز) اُن کا یہ کہنا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰے کو جو خدا کے رسول (ہونے کا دعویٰ کرتے) تھے (سولی پہ چڑھا کر) قتل کرڈالا حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ) نہ توانہوں نے قتل کیا اور نہ سُولی پہ چڑھاکر ہلاک کیا بلکہ حقیقت اُن پہ مشتبہ ہوگئی (یعنی

صورتِ حال ایسی ہوگئی کہ انہوں نے سمجھا) ہم نے مسیح کو مصلوب کر دیا حالانکہ نہیں کر سکے تھے۔"

تفسیر میں مزید لکھتے ہیں :-

"یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت مشتبہ ہو گئی وہ زندہ تھے مگر انہیں مردہ سمجھ لیا گیا۔" (ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۷۵ مطبوعہ جید برقی پریس دہلی نومبر ۱۹۳۰)

مولانا صاحب کی خدمت میں اُن کے ایک مرید ڈاکٹر انعام اللہ خان نے بلوچستان سے بذریعہ مکتوب درخواست کی کہ انہوں نے اخبار وکیل (امرتسر) میں بانی جماعت احمدیہ کے وصال پر جو شذرہ رقم فرمایا تھا اس پر خطِ تنسیخ کھینچ دیں اور ایک کتاب حیاتِ مسیحؑ کے موضوع پر تصنیف فرما دیں۔ مولانا نے کیا لطیف جواب دیا؟ فرمایا :-

"وفاتِ مسیح کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ مرزا صاحب کی تعریف یا برائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلئے کہ

؎ تو بُرا ہے تو بھلا ہو نہیں سکتا اے ذوق
وہ بُرا خود ہے جو تجھ کو بُرا جانتا ہے"

(ملفوظاتِ آزاد صفحہ ۱۳۰ مرتّب محمد اجمل خان مکتبہ ماحول کراچی طبع اوّل اکتوبر ۱۹۶۱ء)

مولانا اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"حیاتِ مسیح کا عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل و لباس میں نمودار ہوا ہے۔"

(نقشِ آزاد صفحہ ۱۲۰)

مولانا ابوالجمال احمد مکرم صاحب عباسی چڑیا کوٹی (رکن مجلس اشاعۃ العلوم حیدر آباد دکن) احمدیت کے علم کلام سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے اپنی معرکہ آراء کتاب "حکمتِ بالغہ" جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۴۲ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تصریحات کی روشنی میں پادریوں کو دجال اور ریل کو خرِ دجال قرار دیا ہے۔ اُن کی یہ تالیف مطبع دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد دکن میں چھپی تھی۔
(تاریخ ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۱۴ء)

تیسرا گوشہ جدید علم کلام کے مہتم بالشان انقلاب کا یہ ہے کہ اس کے اثرات صرف ان شخصیات تک محدود نہیں جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ہمعصری کا شرف رکھتی تھیں بلکہ بعد کی شخصیات پر بھی ممتد ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی، علامہ عنایت اللہ خان المشرقی بانی خاکسار تحریک مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بانی جماعت اسلامی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب طاہر سورتی موسّس انجمن ترقی عربی پاکستان، مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین)، مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی چیئرمین دارالمصنفین اعظم گڑھ و بانی رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ[۱]، مولانا محمد موسیٰ صاحب مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا اللہ یار خان صاحب چکڑالہ ضلع میانوالی، لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) خواجہ عبدالرشید صاحب، مولانا بدرالدین صاحب بدر جالندھری۔

---

[۱] مولانا صاحب اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کی مجلس اعلیٰ، عربی اکیڈیمی دمشق، عرب یونیورسٹیوں کی فیڈریشن کی مجلس انتظامیہ (مراکش) اور اردن کی مجلس علمی کے رکن بھی ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں آپ "شاہ فیصل ایوارڈ" کے مستحق قرار پائے تھے۔

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جنہیں "مفکرِ اسلام، مجددِ اعظم اور امامِ انقلاب" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے حضرت مسیح ناصریؑ کے رفع کی قرآنی فلاسفی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مفسرین نے ایک قصہ بنا دیا اور مسلمان اس پر ایمان لائے کہ مسیح رفع کر لیا گیا اور اس کا ایک حواری اس کی صورت بن گیا۔ ہم کو اس بات کی تصدیق یا تکذیب کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ قرآن نے حکایت بیان کی ہے وہی اناجیل میں ہے۔ بل رفعہ اللہ یہ کلمہ قرآن میں ایک بار استعمل نہیں ہوا بلکہ اس کلمہ کی بہت سی مثالیں اور نظائر ہیں

جسے اجتماعیت میں مقامِ عالی حاصل ہو تو

قرآن اسے رفع کے ساتھ موصوف کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے مسیح کا درجہ بلند کیا۔ اب ہم موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کی تعلیمات نہیں جان سکتے جب تک کہ ابن مریم کی اتباع نہ کریں۔ یقیناً اللہ نے اس کا مقام بلند کیا (یہی رفع کا معنیٰ ہے) نیز ہمیں یہ ضرورت نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں اس کے رفع جسمانی کے قائل ہوں۔"

("الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" سورۃ الفاتحہ، سورۃ المائدہ صفحہ ۲۹۶ ناشر ادارہ بیت الحکمت کبیر والہ ضلع ملتان)

علامہ سندھی کا یہ موقف حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے علم کلام کی خوشہ چینی کا واضح ثبوت ہے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنے دور کے اُن علماء پر زبردست

تنقید کی جو علومِ جدیدہ اور سائنس کی تعلیم کو کفر سمجھتے تھے۔ آپ نے یہ کہکر فکر و اجتہاد کی بے شمار راہیں کھول دیں کہ:۔

"مَیں اُن مولویوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کی تعلیم کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھُپانے کے لیئے ایسا کرتے ہیں۔ اُن کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن اور گمراہ کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ چونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لیئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ اُن کی رُوح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ مگر وہ سچّا فلسفہ اُن کو نہیں ملا جو الہامِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے جو قرآن کریم میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوُا ہے وہ اُن کو اور صرف انہیں کو دیا جاتا ہے جو نہایت تذلّل اور نیستی سے اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے دروازے پر پھینک دیتے ہیں۔ جن کے دل اور دماغ سے متکبّرانہ خیالات کا تعفّن نکل جاتا ہے اور جو اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے گڑگڑا کر سچّی عبودیت کا اقرار کرتے ہیں۔

پس ضرورت ہے کہ آجکل دین کی خدمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے علومِ جدیدہ حاصل کرو اور بڑے جدّوجہد سے حاصل کرو لیکن مجھے یہ بھی تجربہ ہے جو بطور انتباہ مَیں بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ اِن علوم ہی میں یکطرفہ پڑ گئے اور ایسے محو اور منہمک

ہوئے کہ کسی اہلِ دل اور اہلِ ذکر کے پاس بیٹھنے کا اُن کو موقعہ نہ ملا اور خود اپنے اندر الٰہی نور نہ رکھتے تھے۔ وہ عموماً ٹھوکر کھا گئے اور اسلام سے دُور جا پڑے اور بجائے اس کے کہ اُن علوم کو اسلام کے تابع کرتے اُلٹا اسلام کو علوم کے ماتحت کرنے کی بے سُود کوشش کر کے اپنے زعم میں دینی اور قومی خدمات کے متکفّل بن گئے مگر یاد رکھو کہ یہ کام وہی کر سکتا ہے یعنی دینی خدمت وہی بجا لا سکتا ہے جو آسمانی روشنی اپنے اندر رکھتا ہو۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۴۳ تقریر فرمودہ ۱۸۹۸ء مطبوعہ الحکم

مولانا مودودی صاحب نے طبقہ علماء میں سے ہونے کے باوجود حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی اِس تحریک کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے یہ رائے قائم فرمائی کہ:۔

"مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ دشمنی نہیں بلکہ ایجاباً میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک حقائقِ علمیہ کا تعلق ہے اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے دوست ہیں۔"

(تنقیحات صفحہ ۱۹۰۔ ایڈیشن پنجم۔ ناشر جماعت اسلامی پاکستان)

برطانوی ہند کے دارالحرب نہ ہونے کا مسئلہ گزشتہ صدی سے اب تک محلِ نزاع ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی رائے میں وہ شرعاً دارالحرب نہیں تھا۔ بالآخر یہی مسلک مولانا مودودی نے اختیار کیا۔ چنانچہ آپ اپنے رسالہ "سُود" میں رقمطراز ہیں:۔

"ہندوستان اُس وقت بلاشبہ دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت مسلمانوں

کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے، انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا۔ اس لیئے کہ یہاں تمام اسلامی قوانین منسوخ نہیں کیئے گئے ہیں نہ مسلمانوں کو سب احکام شریعت کے اتباع سے روکا جاتا ہے۔" ("سُود" حصہ اوّل صفحہ ۷۷ حاشیہ۔ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان لاہور)

نیز لکھا:۔

"وہ شرائط یہاں ابھی پورے نہیں ہوئے ہیں جن کے ماتحت اسلام نے جہاد بالسّیف کی اجازت دی ہے۔ جہاد بالسیف کے لیئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بااختیار امیر کی قیادت میں ہو، کسی دوسرے نظام قاہر و مسلّط کے اندر رہتے ہوئے جہاں کسی با اختیار امیر کا وجود ناممکن ہے قتال کرنا بدامنی اور فساد ہے جو جائز نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کا اعلان ہجرت کے بعد فرمایا۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ جہاد بالسّیف کے لیئے اُٹھیں وہ خود شائبہ فساد و ظلم سے پاک ہو چکے ہوں ..... اِس طرح کی کوئی جماعت اور کوئی با اختیار امیر چونکہ ابھی ہندوستان میں موجود نہیں ہے اِس وجہ سے یہاں جہاد بالسّیف روا نہیں۔"

(ترجمان القرآن ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۸۲)

حضرت اقدس مسیح موعود بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بارہا یہ حقیقت واضح فرمائی کہ عہدِ حاضر مامورِ ربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اے بندگانِ خدا! آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب اِمساکِ باراں ہوتا ہے اور ایک مدّت تک مینہہ نہیں برستا تو اُس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کنوئیں بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے اسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی پانی ہے (یعنی خدا کی وحی) وہی سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس روحانی پانی کا محتاج ہے
میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں عین ضرورت کے وقت خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ ...... نہ صرف یہ ہے کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بُلاتا ہوں بلکہ خود زمانہ نے مجھے بُلایا ہے۔" ("پیغام صلح"۔ یادداشتیں)

چنانچہ مولانا مودودی نے کھلے دل و دماغ سے یہ شہادت دی کہ آج فی الحقیقت نبی کی نظر ہی اسلامی حقائق تک رسائی پا سکتی اور موجودہ مسائل میں ہماری راہ نمائی کر سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اعتراف حق کرتے ہوئے لکھا:۔

"افسوس کہ علماء (اِلّا ماشاء اللہ) خود اسلام کی حقیقی رُوح سے خالی ہو چکے تھے۔ ان میں اجتہاد کی قوّت نہ تھی...... ان پر تو اسلاف کی اندھی اور جامد تقلید کا مرض پوری طرح مسلط ہو چکا

تھا جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کو اُن کتابوں میں تلاش کرتے تھے جو خدا کی کتابیں نہ تھیں کہ زمانے کی قیود سے بالاتر ہوتیں۔ وہ ہر معاملہ میں اُن انسانوں کی طرف رجوع کرتے تھے جو خدا کے نبی نہ تھے کہ اُن کی بصیرت اوقات اور حالات کی بندشوں سے بالکل آزاد ہوتی۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی کامیاب رہنمائی کر سکتے جب کہ زمانہ بالکل بدل چکا تھا اور علم و عمل کی دُنیا میں ایسا عظیم تغیّر واقع ہو چکا تھا جس کو خدا کی نظر تو دیکھ سکتی تھی مگر کسی غیر نبی انسان کی نظر میں یہ طاقت نہ تھی کہ قرنوں اور صدیوں کے پردے اٹھا کر اُن تک پہنچ سکتی"

(تنقیحات صفحہ ۴۷-۴۸ طبع ہفتم ۱۹۶۳ء ناشر اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

نیز تسلیم کیا کہ :-

"اکثر لوگ اقامتِ دین کی تحریک کے لیئے کسی ایسے مردِ کامل کو ڈھونڈتے ہیں جو اِن میں سے ایک ایک شخص کے تصوّرِ کامل کا مجسّمہ ہو..... دوسرے الفاظ میں یہ لوگ دراصل نبی کے طالب ہیں اگرچہ زبان سے ختمِ نبوّت کا اقرار کرتے ہیں اور کوئی اجرائے نبوّت کا نام بھی لے دے تو اس کی زبان گدّی سے کھینچنے کے لیئے تیار ہو جائیں مگر اندر سے اُن کے دل نبی سے کم کسی پر راضی نہیں"

(اخبار "مسلمان" ۲۸ فروری ۱۹۴۳ء بحوالہ الفضل ۶ مارچ ۱۹۴۳ء صفحہ ۱)

۵ وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا (بانی سلسلہ احمدیہ)

مولانا عبدالرحمٰن طاہر سورتی۔

عرب کا بے مثال ماہر لسانیات علامہ ابوالفتح عثمان ابن جنی اپنی شہرہ آفاق کتاب "الخصائص" میں یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ عربی زبان الہامی ہے یا دوسری زبانوں کی طرح انسانوں کی ایجاد ہے۔ اس بارے میں میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکا مگر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے عربی تالیف "مِنَن الرحمٰن" کے ذریعہ عربی زبان کو اُمّ الألسنہ ثابت کر کے پوری علمی دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔

اس شاندار انکشاف کی نسبت عرب علماء و فضلاء کی کوئی تحریر اب تک میری نظر سے نہیں گزری[۵]۔ پاکستان کے اکابر علماء میں سے مولانا عبدالرحمٰن طاہر سورتی پہلے محقق و فاضل ہیں جنہوں نے عربی کو "امّ الالسنہ" یقین کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ استاذ احمد حسن زیارت کی کتاب "تاریخ الادب العربی" کے اردو ایڈیشن کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں "عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے میں شک نہیں"۔ (صفحہ ۲۶، ناشر کتاب شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور جون ۱۹۶۱ء)

مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے جدید علم کلام کا نہایت وجد آفریں انعکاس اُن تحریرات سے بخوبی عیاں ہے جو شانِ خاتمیت محمدی کے سلسلہ میں اُن کے قلم سے نکلی ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:۔

"لیکن پھر سوال یہ ہے کہ جب خاتم الدجالین کا اصلی مقابلہ تو

---

۵ شیخ احمد الاسکندری اور شیخ عنانی یک اب تک صرف اس نتیجہ پر پہنچ سکے ہیں کہ عربی تمام سامی زبانوں کی ماں سے قریب تر ہے۔ (الوسیط فی الادب العربی و تاریخہ)

خاتم النبیین سے ہے مگر اس مقابلہ کے لیئے نہ حضورؐ کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانا مناسب نہ صدیوں باقی رکھا جانا شایانِ شان نہ زمانہ نبویؐ میں مقابلہ ختم کرایا جانا مصلحت اور اِدھر اُس ختم دجّالیت کے استیصال کے لیئے چھوٹی موٹی روحانیت تو کیا بڑی سے بڑی ولایت بھی کافی نہ تھی۔ عام مجددین اور ارباب ولایت اپنی پوری روحانی طاقتوں سے بھی اس سے عہدہ برآ نہ ہوسکتے تھے جبتک کہ نبوّت کی روحانیت مقابل نہ آئے۔ بلکہ محض نبوّت کی قوّت بھی اس وقت تک مؤثر نہ تھی جب تک کہ اُس کے ساتھ ختمِ نبوّت کا پاور شامل نہ ہو تو پھر شکستِ دجّالیت کی صورت بجز اس کے اور کیا ہوسکتی تھی کہ اس دجّالِ اعظم کو نیست و نابود کرنے کے لیئے اُمّت میں ایک ایسا خاتم المجدّدین آئے جو خاتم النبیینؐ کی غیر معمولی قوّت کو اپنے اندر جذب کیئے ہوئے ہو اور ساتھ ہی خاتم النبیینؐ سے ایسی مناسبتِ تامّہ رکھتا ہو کہ اُس کا مقابلہ بعینہٖ خاتم النبیینؐ کا مقابلہ ہو۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ختمِ نبوّت کی روحانیت کا انجذاب اسی مجدّد کا قلب کرسکتا تھا جو خود بھی نبوّت آشنا ہو محض مرتبۂ ولایت میں یہ تحمّل کہاں کہ وہ درجۂ نبوّت کی بھی برداشت کرسکے چہ جائیکہ ختمِ نبوّت کا کوئی انعکاس اپنے اندر اُتار سکے نہیں بلکہ اس انعکاس کے لیئے ایک ایسے نبوّت آشنا قلب کی ضرورت تھی جو فی الجملہ خاتمیت کی شان بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ تاکہ خاتمِ مطلق کے کمالات کا عکس اُس میں اُتر سکے اور ساتھ ہی اُس خاتمِ مطلق کی

ختمِ نبوت میں فرق بھی نہ آئے۔"

("تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام"۔ناشر ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۵ھ)

مولانا محمد طیب صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ خاتمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضورؐ کی شان محض نبوّت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوّت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوّت کی استعداد پایا ہوا فرد آپؐ کے سامنے آگیا نبی ہو گیا۔ ..... آپؐ کی یہ فیض رسانی اور سرچشمۂ کمالاتِ نبوت ہونے کی امتیازی شان آغازِ بشریت سے شروع ہوئی تو انتہائے کائنات تک جا پہنچی۔" (آفتابِ نبوّت صفحہ ۱۰۹۔۱۱۱۔ ناشر: ادارہ عثمانیہ ۳۲ پرانی انارکلی لاہور)

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ اٰلِ محمّدٍ کما صلّیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰلِ ابراھیم انّك حمیدٌ مجید۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے محقق و فاضل کو حضرت امام الزمان کے اس نظریہ کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا ہے کہ یورپین اقوام اور یورپ کی مغربی تہذیب ہی دجّال ہے۔ (ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"زندگی اور معاشرہ پر دجّال کا اثر

احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت داعی اور گرم جوش، چست و چالاک اور مذاہب و اخلاق کے مقابلہ میں کفر اور بغاوت کا علمبردار ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

فو اللہ ان الرجل لیأتیہ و	خدا کی قسم آدمی اس کے پاس آئیگا
ھو یحسب انہ مؤمن فیتبعہ	اور سمجھتا ہوگا کہ وہ مومن ہے، پھر
مما یبعث بہ الشبہات[1]	اس کا متبع بن جائے گا، ان شبہات کی وجہ سے جو وہ اس کے دل میں پیدا کردے گا۔

اس کا معاملہ اتنا آگے بڑھے گا اور اس کی دعوت اس قدر عام ہوگی کہ کوئی گھرانہ اور خاندان اس سے محفوظ نہ رہے گا، نہ عورتیں اور نہ لڑکیاں اس کے اثر اور سحر سے آزاد رہ سکیں گی۔ گھر کا بڑا اور ذمہ دار اپنے گھر والوں، اپنی بیوی اور عورتوں اور لڑکیوں پر کوئی کنٹرول قائم نہ رکھ سکے گا، اور سب شتر بے مہار ہوجائیں گے۔

حدیث میں آیا ہے کہ:۔

ینزل[2] الدجال بھذہ السبخۃ	دجال آکر اس شور قطعہ زمین "مرقناۃ"
بمرقناۃ فیکون آخر من	میں پڑاؤ کریگا۔ آخر میں اس کے
یخرج الیہ النساء حتی	پاس عورتیں گھروں سے نکل کے
ان الرجل لیرجع الی امہ	جائیں گی یہاں تک کہ آدمی اپنی ماں،
وابنتہ واختہ وعمتہ	اپنی بیٹی، اپنی بہن اور اپنی پھوپھی
فیوثقھا رباطا مخافۃ	کے پاس جائے گا اور ان کو باندھ کے

---

[1] ابوداؤد۔ [2] ملاحظہ ہو نزول دجال کے معنے مولانا ندوی نے آسمان سے اترنے کے نہیں بلکہ پڑاؤ کرنے کے لیئے ہیں اور کس خوبی سے نزول مسیح کا مسئلہ بھی خودبخود حل کردیا ہے۔ (ناقل)

ان تخرج الیہ[1] مقید کر دے گا، اس اندیشہ سے کہ یہ دجال کے پاس جائیں۔

سوسائٹی کا فساد اور اخلاقی انحطاط اور زوال اس درجہ پر پہنچ جائے گا کہ حدیث کے الفاظ میں :۔

فیبقی شرار الناس فی خفة الطیر واحلام السباع، لا یعرفون معروفاً و لا ینکرون منکراً[2]

صرف بُرے لوگ باقی رہ جائیں گے جو چڑیوں کی طرح ہلکے اور درندوں کی سی عقلیں رکھنے والے ہونگے نہ اچھائی کو وہ اچھائی سمجھیں گے نہ بُرائی کو بُرائی۔

موجودہ مادہ پرستانہ اور کافرانہ تہذیب کی یہ وہ بلیغ تعبیر اور زندہ تصویر ہے جس میں اس کے نقطۂ عروج کا نقشہ پیش کر دیا گیا ہے، اور اس کے اہم مرکزوں اور قلعوں کی بہت واضح طور پر نشاندہی کر دی گئی ہے۔ یہ دراصل نبوّت کے ان لافانی معجزوں میں سے ایک معجزہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جامع ومانع کلام کا ایک بہترین نمونہ ہے، جس کے عجائبات و کمالات کبھی ختم نہیں ہوتے اور جس کی تازگی اور جدت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ تہذیب میں ایک طرف پرندوں کا سا ہلکاپن ہے اور وہ فضاؤں میں اڑ رہی ہے

---

[1] طبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

[2] صحیح مسلم (روایت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ۔

اور ہوا کو تسخیر کر رہی ہے، اور اس نے جدید انسان کو پرندہ سے تیز رفتار اور سبک بنا دیا ہے، دوسری طرف اس میں درندگی، خونخواری اور مردم آزاری کی وہ صفت ہے جس سے وہ پورے پورے ملکوں اور قوموں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتی، اور نہ صرف لہلہاتی فصلوں اور گل و گلزار زمینوں کو بلکہ باغِ انسانی کو اس طرح تباہ و برباد کرتی ہے کہ اس کی نظیر تاریخ میں نظر نہیں آتی اور یہ سب عیش و آرام، رزق کی فراوانی، راحت و آسائش اور آرائش و زیبائش کے اس ساز و سامان اور اسباب و وسائل کے ساتھ ہے جو شاید تاریخ کے کسی اور دور میں اتنی کثرت و عمومیت سے مہیا نہ ہوئے تھے۔

حدیث میں آتا ہے :-

وھم فی ذلک دار رزقھم	اس حالت میں ان کا رزق مینہ
حسن عیشھم۔	کی طرح برس رہا ہوگا اور عیش
(صحیح مسلم روایت عبداللہ بن عمروؓ)	کے سب سامان مہیا ہوں گے۔

("معرکۂ ایمان و مادیت" صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۱ - تالیف مولانا سید ابوالحسن ندوی - ناشر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ہندی اور پنجابی ہونے پر ابھی تک زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے اور اکثر نگاہیں آج بھی ظہورِ مہدی کے لیے سرزمین عرب کی طرف دیکھ رہی ہیں مگر مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب عربوں کی افسوسناک دینی و اخلاقی حالت پر نوحہ کناں ہیں اور انہیں زبردست انتباہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"إن الله تعالىٰ حذر العرب الأولين وقال لنبيه صلى الله عليه وسلم:
(فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ) [الانعام: ۹۰]

وقال للمسلمين العرب:
(وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم) [محمد: ۳۸]

ولله جنود السمٰوات والارض، وفی کنانة الاسلام سهام لم یرها احد ولا تخرج إلّا فی وقتها، ومن یدری فلعلّ شمس الاسلام تطّلع من المشرق، وهٰذه أمم اسلامیة فتیة علیٰ سواحل المحیط الهندی وفی جزره تتحفز للوثوب وتتهیّأً لقیادة العالم الاسلامی۔"
(العرب والاسلام صفحہ ۲۷۔ ناشر المکتب الاسلامی دمشق۔ بیروت۔ طبع ثالث ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء)

(ترجمہ) :۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عربوں کو بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ متنبہ کیا تھا کہ اگر یہ لوگ اس (نبوّتِ محمدیؐ) کا انکار کریں تو ہم اسے ایک ایسی قوم کے سپرد کردیا ہے جو اس کے منکر نہیں (الانعام: ۹۰)
نیز عرب مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم بدل کرلے آئے گا اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔ (محمد: ۳۸)

آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کے لشکر ہیں اور اسلام کے ترکش میں کئی تیر ہیں جو کسی کو دکھائی نہیں دیتے مگر اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔

کسے خبر ہے کہ آفتاب اسلام شاید مشرق سے ہی طلوع کرے جہاں نوجوان امم اسلامیہ بحر ہند کے ساحلوں پر آباد ہیں اور اس کے بھاٹا میں کودنے پر آمادہ ہیں اور دنیائے اسلام کی قیادت کے لئے تیار کھڑی ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعوی مسیحیت و مہدویت کے آغاز میں ہی اعلان فرما دیا تھا کہ "یہ وہی صبح صادق ظہور پذیر ہو گئی ہے جس کی پاک نوشتوں میں پہلے سے خبر تھی..... سو شکر کرو اور خوشی سے اچھلو جو آج تمہاری تازگی کا دن آ گیا۔ خدا تعالیٰ اپنے دین کے باغ کو جس کی راستبازوں کے خونوں سے آبپاشی ہوئی تھی کبھی ضائع کرنا نہیں چاہتا۔"
(ازالہ اوہام حصہ اوّل صفحہ ۳-۴)

مولانا محمد موسیٰ صاحب مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور برصغیر کے ماہر فلکیات ہیں آپ اپنی کتاب فلکیات جدیدہ (حصہ اوّل صفحہ ۲۱۶) میں بالوضاحت لکھتے ہیں کہ "خسوف ایام استقبال یعنی ۱۳-۱۴-۱۵ آثار بخول کے علاوہ ناممکن ہے۔ (ناشر کتاب ادارہ تصنیف و ادب جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور) حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء میں جبکہ گرہن کا آفاقی نشان رونما ہوا بالکل یہی موقف اختیار فرمایا تھا۔ (نور الحق حصہ دوم مؤلفہ ۱۸۹۴ء) پس مولانا محمد موسیٰ صاحب کا یہ بیان احمدی علم کلام کی حقانیت پر ایک واضح شہادت ہے۔

مولانا اللہ یار صاحب چکڑالہ ضلع میانوالی فرماتے ہیں:-

"کشف و الہام وحی باطنی ہے اور کمالات نبوت سے ہے اور نائب و خلیفہ نبوت ہے۔ انقطاع نبوت اور انقطاع وحی

شرعی کے بعد یہ دلائل میں داخل ہے۔ یہ باطنی دولت انبیاء کا حصہ ہے جو بطور وراثت انبیاء کی حقیقی اولاد یعنی متبعین کو ملتی ہے۔" (دلائل السلوک صفحہ ۱۲۲-۱۲۳۔ ناشر ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال)

نیز فرماتے ہیں :-

"جبریل ولی اللہ کے پاس آسکتے ہیں صرف وحی شرعی اور وحی احکامی کا سلسلہ ختم ہوا کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۲۷)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے "زندہ نبی" یقین کرتے تھے کہ آپؐ کی پیروی سے وحی و الہام کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے۔ جناب مولانا اللہ یار صاحب اسی جدید علم کلام کے خوشہ چین ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت اقدس نے دنیا بھر میں پوری قوت و شوکت سے یہ منادی فرمائی کہ آنحضرتؐ کی غلامی کے طفیل مجھے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت سے نوازا گیا ہے اور کوئی نہیں کہ اس میں میرا مقابلہ کر سکے مگر مولانا صاحب موصوف صرف "آسکنے" کی منزل تک رسائی پا سکے ہیں ؎

چراغِ مُردہ کجا شمعِ آفتاب کجا
ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

عبداللہ ملک صاحب جیسے سوشلسٹ رہنما حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی نسبت لکھتے ہیں :-

"مرزا غلام احمد کی تعلیمات اور تنظیم نے یقیناً ایک ایسا گروہ پیدا کیا جو اپنے اندر ایک جذبہ رکھتا تھا جو مذہب سے شیفتگی کا

اُٹھتے بیٹھتے اظہار کرتا تھا۔ اور اُن کے اِسی جذبے نے ان مسلمانوں کو بھی بہت متاثر کیا جو مرزا غلام احمد کی تعلیمات کو تفصیلی طور پر نہیں جانتے تھے۔ دراصل مرزا غلام احمد نے اپنی تصانیف اور تحریروں کے ذریعے ایک دَور میں تہلکہ مچا دیا۔ جب براہین احمدیہ شائع ہوئی تو مولانا محمد حسین بٹالوی نے اسی کتاب کے بارے میں لکھا تھا۔

"یہ کتاب اس زمانہ کی موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی آئندہ کی خبر نہیں، لعلّ اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ اس کا مؤلّف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی اور حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم از کم ایک ایسی کتاب بتلا دے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص، انصارِ اسلام کی نشاندہی کر دے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ بھی اُٹھایا ہو اور مخالفینِ اسلام و منکرینِ الہام کے مقابلے میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجودِ الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر تجربہ و مشاہدہ کر لے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوامِ غیر کو مزہ بھی چکھا دیا

ہو۔" ("پنجاب کی سیاسی تحریکیں" صفحہ ۲۶۷-۲۶۸ طبع اوّل یکم جنوری ۱۹۷۱ء۔ ناشر نگارشات پرنٹرز لاہور)

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) خواجہ عبدالرشید صاحب۔ خواجہ صاحب کی تحریرات میں ہمیں احمدیت کے جدید علم کلام کی جھلکیاں صاف دکھلائی دیتی ہیں مثلاً آپ حضرت مسیحؑ کی طبعی وفات کے قائل ہیں اور آپ نے آیت "اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ" سے حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کا استدلال کرنے والوں کا ہمیشہ علمی تعاقب کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو آپ کا مضمون "نزول مسیحؑ" مطبوعہ چٹان یکم دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۷-۸)

جناب خواجہ صاحب "سیر فرنگ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے پہلی مرتبہ چینی اور جاپانی زبانوں کے اخبار ہوائی جہاز میں دیکھے ہیں۔ انگریزی، عربی اور فارسی کے اخبار تو اکثر یہاں دیکھنے میں آیا کرتے تھے شاید یہ جہاز جاپان سے ہوکر آیا ہے اسلیئے یہ اخبار لیتا ہی آیا ہوگا۔ آپ شاید میرے ساتھ اتفاق نہ کریں لیکن وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ کے ساتھ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی بھی تفسیر نظر آرہی ہے۔ یہ ہوائی جہاز اچھا خاصہ انسانی چڑیا گھر معلوم ہوتا ہے"

"اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یہ قیمتی اور گابھن اونٹنی (یعنی قیمتی اونٹ جو بہت کارآمد ہے) معطّل ہوجائے گی۔ ہوتی جارہی ہے کہ **نہیں**۔ اب کہاں وہ حاجیوں کے قافلے جو قطار اندر قطار جدّہ سے چل کر کن کٹھن منزلوں سے مکّہ اور مدینہ پہنچتے تھے اب تو ریگستان عرب میں

میں قیمتی سے قیمتی موٹر چلتی ہے۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے اونٹ کی افادیت ختم ہو جائے گی اور یہ جانور بھی ریگستانوں میں ناپید ہو جائے گا۔ ( ) یہ حالات ہیں جو قیامت کے قریب ظاہر ہو رہے ہیں"

"ہمیں تو قیامت کے آثار بہت قریب دکھائی دیتے ہیں۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۔ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۔
وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۔۔۔۔۔ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۔
۔۔۔۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ" (التکویر: ۶-۷-۸-۱۱-۱۵)

(سیرِ فرنگ صفحہ ۳۰-۳۱-۶۴)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "شہادت القرآن" میں اور دوسری پُر معارف کتابوں میں سورۃ تکویر کی مذکورہ بالا آیات کی تفسیر فرمائی ہے مندرجہ بالا بیان اس کی حقانیت پر شاہد عادل ہے۔ حضور نے "شہادت القرآن" کتاب علامہ عنایت اللہ خان مشرقی کے والد ماجد جناب میاں عطا محمد صاحب آف امرتسر کے ایک مکتوب کے جواب میں سپردِ قلم فرمائی تھی۔

مولانا بدر الدین صاحب بدر جالندھری۔

ایک دانشور اور عارف کا قول ہے ؏ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!

مگر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا یہ نیا محاورہ پیش فرمایا۔

؏ محمدؐ ہست بُرہانِ محمدؐ "(آئینہ کمالاتِ اسلام" طبع اول، تالیف ۱۸۹۳ء)

جناب مولوی بدر الدین صاحب بدر جالندھری اس عارفانہ محاورہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"رہنمایانِ عالم میں صرف آنحضرتؐ کی ذاتِ والا صفات

وہ ذات ہے جس کا ہر وصف، ہر خط و خال اور ہر ادا آپؐ کے کمال کی دلیل ہے اسی لیئے قدرت نے آپؐ کے واسطے وہ نام تجویز کیا جس کے معنی مجسم تعریف کے ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی ایسی ہستی ہے جس کا ہر وصف اسے ہر دوسرے شخص کے مقابلے میں محمدؐ یعنی قابل تعریف ثابت کرتا ہو اور اس کے لیئے کسی بیرونی دلیل کی ضرورت نہ ہو تو وہ صرف پیغمبر اسلام ہے جن کی تعریف کے لیئے "محمدؐ ہست برہان محمدؐ" ہی کا مصرع پورے طور پر صادق آتا ہے۔" (خطبات بدر صفحہ ۱۶۷ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور)

ایران ایران مسلم دنیا کا وہ واحد ملک ہے جو سرکاری اور عوامی دونوں حیثیت سے ظہور مہدی کے تخیل کو اپنے سینہ میں بسائے ہوئے ہے۔ ایرانیوں کے سوا کسی اور قوم کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔ پچھلے چند برسوں میں حضرت امام مہدی کے بارے میں اتنی کثرت سے لٹریچر شائع ہوا ہے کہ گزشتہ تمام ریکارڈ ماند پڑ گئے ہیں۔ اس لٹریچر کی ایک بھاری اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کئی علامات مہدی کے پورے ہونے کا واضح اقرار کیا گیا ہے جو تعجب خیز بات ہے۔

مثلاً علامہ باقر مجلسی کی عربی کتاب "بحار الانوار" جلد ۱۳ شیعہ دنیا میں امام مہدی علیہ السلام کے حالات و علامات پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ عہد حاضر کے ایک ایرانی فاضل علامہ علی دوانی نے اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا ہے اور طہران کے دار الکتب الاسلامیہ نے اسے مہدی کے پیارے نام سے متعدد بار شائع کیا ہے۔ کتاب کا پندرھواں ایڈیشن اس

وقت ہمارے سامنے ہے[۱] جس کے حاشیہ صفحہ ۱۰۴۳ میں فاضل مترجم نے اعتراف کیا ہے مہدی موعود کے زمانہ کی یہ علامات کہ مکّہ و مدینہ میں آلات موسیقی ظاہر ہوں گے اور آسمان پر ایسے نشانات دکھائی دیں گے جن سے دُنیا خائف نہ ہوگی، یہ دونوں ہی وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ مؤلف کے نزدیک امام مہدی کے زمانہ میں جو سُرخ آندھی مقدّر تھی وہ ایٹمی جنگ کی صورت میں نمودار ہو چکی ہے۔ (حاشیہ صفحہ ۱۰۴۷) اور دخان مبین سے مراد ایٹم بم ہے۔ حاشیہ صفحہ 1199)

اصفہان کے مکتبہ" الامام امیرالمومنین علی العامہ" نے علاّمہ محمد الصدر کی ایک گرانقدر تالیف "تاریخ الغیبۃ الکبریٰ" شائع کی ہے جو علمی لٹریچر میں عمدہ اضافہ ہے۔ کتاب کے صفحہ ۵۱۱ سے ۵۳۷ تک دجال کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی ایک ایک علامت کا ذکر کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ **موجودہ یورپین تہذیب ہی دجّال ہے۔**

نظریہ وفاتِ مسیح نے بھی ایران کے باثر علمی اور مذہبی حلقوں پر گہرا اثر ڈالا ہے اور مُلک کے ممتاز عالم دین حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا اعلان کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایرانی مفسّر مولانا زین الدین راہ نما کا ترجمہ و تفسیر قرآن ملک میں بہت مقبول ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۶۹۔۔۵۰ پر حضرت مسیحؑ کی طبعی وفات کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ نیز صفحہ ۲۶۷ کے حاشیہ میں لکھا ہے :۔

"مسیح پس از آنکہ رنج فراوانی از یہود کشید راہِ مشرق در پیش گرفت و برائے قبائلِ اسرائیلی کہ بکشمیر و شرقِ

---

[۱] راقم الحروف کے پاس اِس کتاب کا بیسواں ایڈیشن بھی موجود ہے۔ (مؤلف)

افغانستان کوچ کردہ بودند۔ موعظہ ہا کرد[1]۔

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو یہود کے ہاتھوں بہت تکالیف برداشت کرنا پڑیں جس پر آپؑ نے مشرق کا رخ اختیار کیا اور کشمیر اور مشرقی افغانستان کے اسرائیلی قبائل کی طرف ہجرت کر گئے اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی۔

تاریخِ ایران کا یہ ناقابلِ فراموش واقعہ ہے کہ ایران کے مرحوم روحانی پیشوا اور دینی رہنما علامہ آیت اللہ خمینی نے پوپ کو ایک مکتوب مفتوح میں لکھا:۔

"If Jesus Christ Were Alive Today

Considering the fact that we are oppressed, we ask you for judgment. You must provide salvation for the Christian nations. Nations must be saved from actions which are performed in the name of Jesus Christ and Christianity but which are in reality, crimes. These actions hurt the reputation of Jesus Christ and Christianity.

If jesus Christ were alive today, he would condemn Carter. If he were alive today, he would release us from the clutch of this enemy of the people, the enemy of all humanity. You are a representative of Jesus Christ and thus you must do what he would do."

[2] (SELECTED MESSAGES AND SPEECHES OF IMAM KHOMEINI) Page 72

The Ministry of National Guidance Tehran, Iran.

---

[1] کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں یہ عبارت صفحہ ۲۶۵ پر ہے اور وفاتِ مسیحؑ کا ذکر بالترتیب صفحہ ۲۶۸ اور صفحہ ۵۰۹ پر ہے۔ یہ ایڈیشن رمضان ۱۳۵۲/ جنوری ۱۹۳۴ء میں چھپا تھا۔ [2] ناشر

اگر آج مسیح زندہ ہوتے

"ہم نے آپ سے درخواست کی ہے کیونکہ ہمارے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔ ہم عیسائی دنیا سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی نجات کا راستہ تلاش کرے۔ ہم نجات کا راستہ اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ بڑے ممالک میں مسیح اور عیسائیت کے نام پر جو جرائم کرتے ہیں وہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے منافی ہیں۔ یہ اقدامات عیسائیت کو تمام دنیا میں بدنام کرتے ہیں۔ میں پوپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آج حضرت عیسیٰ زندہ ہوتے تو ہمیں اس عوام دشمن[1] کے شکنجہ سے نجات دلاتے۔ آپ حضرت عیسیٰؑ کے نمائندے ہیں اور اس حیثیت سے ہمیں آپ سے امید ہے کہ آپ وہی کریں گے جو اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو کرتے۔" (ترجمہ۔ رخشندہ حسن۔ اخبار امروز لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۳)

مسئلہ جہاد جس پر مدتوں سے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے احمدی علم کلام کی بدولت اب ایران میں بھی اپنی صحیح شکل و صورت میں جلوہ گر ہونے لگا ہے چنانچہ مولانا آیت اللہ مرتضیٰ مطہری جیسے مجتہد اور بزرگ عالم دین نے جہاد کے موضوع پر متعدد لیکچر دیئے اور قرآن مجید سے ثابت کیا کہ جہاد خالص دفاعی عمل ہے جس کی اجازت حریتِ ضمیر اور مذہبی آزادی کی خاطر دی گئی ہے۔

ایک لیکچر میں آپ نے بتایا کہ :-

---

[1] یعنی مسٹر کارٹر

"What has been presented so far is that the Qur'an has fundamentally defined jihad not as a war of aggression, of superiority, or of domination, but of resistance to aggression."

PAGE: 92

(JIHAD AND SHAHADAT
EDITED BY
MEHDI ABEDI AND GARY LEGENHAUSEN)

(مطبوعہ امریکہ اشاعت اوّل ۱۹۸۶ء)

یعنی مذکورہ تفصیل سے عیاں ہے کہ قرآن مجید نے بنیادی طور پر وضاحت کردی ہے کہ جہاد، بالادستی اور اقتدار کی جارحانہ جنگ نہیں جارحیت کے مقابلہ کا نام ہے۔

رُوس

احمدیہ مشن امریکہ کے بانی حضرت مفتی محمد صادق صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"روسی ریفارمر کونٹ ٹالسٹائی کو تبلیغ عاجز راقم نے حضرت مسیح موعود .... کی زندگی میں کی! آپ کے وصال کے بعد اپنے ولایت جانے سے قبل یورپ امریکہ کے جن بڑے بڑے لوگوں کو تبلیغ کی اُن میں سے ایک مشہور روسی ریفارمر کونٹ ٹالسٹائی بھی تھے۔ اُن کو جو خط لکھا گیا تھا وہ بطور نمونہ کے درج ذیل ہے :-

جناب۔ مَیں نے آپ کے مذہبی خیالات کتاب برٹش انسائیکلو پیڈیا کی جلد ۳۲ میں پڑھے ہیں۔ جو کہ انہیں دنوں میں انگلستان میں طبع ہوئی ہے۔ اور اس بات کے معلوم کرنے سے مجھے بہت

خوشی ہوئی ہے کہ یورپ اور امریکہ کے ممالک پر جو تاریکی تثلیث نے ڈال رکھی ہے اس کے درمیان کہیں کہیں خالص موتی بھی پائے جاتے ہیں جو کہ خدائے قادر ازلی ابدی ایک سچے معبود کے جلال کے اظہار کے لیئے جھک رہے ہیں۔ یہ سچی خوش حالی اور دعا کے متعلق آپ کے خیالات بالکل ایسے ہیں جیسے ایک مومن مسلمان کے ہونے چاہئیں۔ مَیں آپ کے ساتھ ان باتوں میں بالکل متفق ہوں کہ عیسیٰ مسیح ایک روحانی معلّم تھا اور کہ اس کو خدا سمجھنا یا خدا سمجھ کر پرستش کرنا سب سے بڑا کفر ہے۔ علاوہ ازیں مَیں آپ کو اس امر سے بھی بخوشی اطلاع دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کے مل جانے سے کافی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ وہ مر گیا۔ یہ قبر کشمیر میں ملی ہے اور اس تحقیقات کا اشتہار حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کیا ہے جو کہ توحید الٰہی کے سب سے بڑھ کر محافظ ہیں اور جن کو خدائے قادر کی طرف سے مسیح موعود ہونے کا خطاب عطا کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک سچے خدا کی سچّی محبّت میں وہ کامل پائے گئے ہیں وہ اس زمانہ میں منجانب اللہ ملہم مصلح اور خدا کے سچّے رسول ہیں۔ وہ سب جو اس مسیح پر ایمان لائیں گے خدا کی طرف سے برکتیں پائیں گے۔ پر جو کوئی انکار کرے گا اُس پر غیور خدا کا غضب بھڑکے گا۔ مَیں آپ کو ایک علیحدہ پیکٹ میں خدا کے اس مقدس بندے کی تصویر معہ یسوع کی قبر کی تصویر کے روانہ کرتا ہوں۔ آپ کا جواب آنے پر مَیں بخوشی اَور کتابیں آپ کو ارسال کروں گا۔

مَیں ہوں آپ کا خیر خواہ مفتی محمد صادق از قادیان ۲۸ /اپریل ۱۹۰۲ء)

اِس خط کے جواب میں ۲۹ جون کو مفصلہ ذیل خط کونٹ ٹالسٹائی کی طرف سے آیا:۔

"پیارے صاحب۔ آپ کا خط بمعہ مرزا غلام احمد صاحب کی تصویر اور میگزین ریویو آف ریلیجنز کے ایک نمونے کے پرچے کے ملا۔ وفاتِ عیسیٰؑ کے ثبوت اور اس کی قبر کی تحقیقات میں مشغول ہونا بالکل بے فائدہ کوشش ہے کیونکہ عقلمند انسان حیاتِ عیسیٰؑ کا قائل کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔......... ہمیں معقول مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اور اگر مرزا احمد صاحب کوئی نیا معقول مسئلہ پیش کریں گے تو مَیں بڑی خوشی سے اس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے تیار ہوں میگزین کے نمونے کے پرچے میں مجھے دو مضمون بہت ہی پسند آئے یعنی گناہ سے کس طرح آزادی ہو سکتی ہے۔ اور آئندہ زندگی کے مضامین خصوصاً دوسرا مضمون مجھے بہت پسند آیا۔ نہایت ہی شاندار اور صداقت سے بھرے ہوئے خیالات ان مضامین میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ مَیں آپ کا نہایت ہی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ پرچہ بھیجا اور آپ کی چٹھی کے سبب بھی مَیں آپ کا بہت ہی شکر گزار ہوں۔

مَیں ہوں آپ کا مخلص ٹالسٹائی از ملک روس ۵ جون ۱۹۰۳ء)

اِس کا جواب مَیں نے پھر اُسے لکھا کہ مسیح کی کیا ضرورت ہے اور قبر مسیح ناصریؑ کا مشتہر کرنا کس واسطے ضروری ہے میرے بیان سے اُس نے اتفاق کیا۔" (ذکرِ حبیب" صفحہ ۲۹۹-۳۰۱ ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان ۱۹۳۶ء)

ٹالسٹائی کی طرح علامہ موسیٰ جار اللہ بھی روس کے ایک عظیم مفکر تھے[ا] اور بقول قاضی محمد عبد الغفار "روسی مسلمانوں میں موسیٰ جار اللہ کا وہی پایہ تھا جو مصر میں مفتی عبدہٗ کا تھا۔" ("آثار جمال الدین افغانی" صفحہ ۳۱۹۔ ناشر انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۰ء)

علامہ موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جدید علم کلام سے اس درجہ متاثر تھے کہ انہوں نے خاص اس موضوع پر کتاب لکھی کہ قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔ (رسالہ ترجمان القرآن جنوری۔ فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۷۹)

علامہ "کتاب فی حروف اوائل السور" صفحہ ۱۳۴ پر آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ (الجمعہ: ۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

"هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنَ الْاُمِّیّٖنَ وَبَعَثَ فِیْ اٰخَرِیْنَ رُسُلًا مِّنْ اٰخَرِیْنَ. لِکُلِّ اُمَّةٍ لَهَا رَسُوْلٌ مِنْ نَفْسِهَا وَهٰؤُلَاءِ الرُّسُلُ هُمْ رُسُلُ الْاِسْلَامِ فِی الْاُمَمِ مِثْلَ اَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ هُمْ رُسُلُ التَّوْرَاةِ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ"

(صفحہ ۱۳۴ ناشر لاہور بیت الحکمت ۱۷ فروری ۱۹۴۲ء)

یعنی وہی خدا ہے جس نے اُمّیوں کی طرف اُمّیوں میں سے ایک رسول بھیجا اُسی خدا نے آخرین میں بھی رسول بھیجے۔ جو آخرین ہی میں سے ہیں کیونکہ ہر اُمّت کے لیے رسول اس کے

[ا] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو "معجم المؤلفین جلد ۱۳ ص ۳۶۔ از عمر رضا کحالہ مطبع ترقی دمشق ۱۹۶۱ء)

نفس سے ہوتا ہے۔ یہ رسول (بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح جو بنی اسرائیل میں تورات کے رسول تھے) اُمم میں اسلام کے رسول ہیں۔

علامہ صاحب غازی مصطفیٰ کمال اتاترک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"نَصَرَهُ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا اِذْ تَوَفَّاهُ وَرَفَعَهُ اِلَيْهِ" (صفحہ ۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی نمایاں رنگ میں نصرت فرمائی جب اُن کو وفات دی اور اپنی طرف اُٹھا لیا — آپ نے اِس فقرہ میں "توفی" اور "رفع" کے الفاظ ٹھیک انہی معانی میں استعمال فرمائے ہیں جو احمدی علم کلام سے مخصوص ہیں۔ علامہ عبید اللہ سندھی نے اِس کتاب پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا اور مولانا عبید الحق پشاوری نے آپ کو "الامام العلام تاج الاعلام" کے خطاب سے یاد کرتے ہوئے لکھا کہ یہ کتاب آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

یورپ و امریکہ

جماعت احمدیہ کا قیام ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو عمل میں آیا جبکہ صرف چالیس درویش طبع اور فقیر منش بزرگوں نے حضرت مسیح موعود کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ ایک تاریخ ساز واقعہ تھا مگر مادی نگاہوں نے اِس کو کوئی چنداں اہمیت نہ دی حتیٰ کہ پنجاب کے پریس نے اس کی دو سطری خبر دینا بھی گوارا نہ کی۔ اُس زمانہ میں برطانوی امپیریلزم کے جھنڈے ہر طرف لہرا رہے تھے اور مستشرقین اور عیسائی پادری اور منادِ یورپ اور امریکہ کی پُشت پناہی میں معصوموں کے سردار اور رسولوں کے فخر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس

پر نہایت شرمناک حملے کر رہے تھے۔ اُن کے ناپاک اور بے بنیاد اعتراضات، الزامات اور مفتریات کا تصوّر آج بھی ایک عاشقِ رسولؐ کی روح کو لرزا دیتا ہے اور اس کا خون کھولنے لگتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ شیطانِ دورانِ شاتمِ رسولؐ سلمان رشدی کی بکواس اور بدنامِ زمانہ یوسف صدیق ٹیونسی کے کارٹون ان ہفواتؐ کے مقابل اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتے جتنی چند ریزوں کے سامنے ایک فلک بوس پہاڑ کی ہوتی ہے۔

اِس دور میں عیسائیت کے علمبرداروں کے حوصلے اِس درجہ بڑھ چکے تھے کہ وہ مکّہ اور مدینہ کی مقدس سرزمین پر صلیبی جھنڈا لہرانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ انہی ایّام میں امریکہ کے مشہور عیسائی لیکچرار پادری جان ہنری بیروز نے ہندوستان کا طوفانی دورہ کیا اور عیسائیت کے عالمی اثرات کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے اعلان کیا :-

> I might sketch movement in Mussulman lands, which has touched. with the radiance of the Cross the Lebanon and the Persian mountains, as well as the waters of the Basphorus, and which is the sure harbinger of the day when Cairo and Damascus and Teheran shall be the servent of Jesus and when even the solitudes of Arabia shall be pierced, and Christ, in the person of His disciples, shall enter the Kaaba of Mecca and the whole truth shall at last be there spoken. "This is eternal life that they might know Thee, the only true God, and Jesus Christ whom thou hast sent."
>
> (Barrows Lectures 1896-97, Christianity, The World Wide Religion, by John Henry Barrows, page 42).

---

۵ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو رسالہ نقوش رسولؐ نمبر (لاہور) جلد یازدہم شمارہ جنوری ۱۹۸۵ء صفحہ ۵۳۱-۵۴۰۔

"اب میں اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں۔ اس ترقی کے نتیجہ میں صلیب کی ضوفشانی اگر ایک طرف لبنان پر ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کے نور سے منور ہے۔ یہ صورت حال اُس آئندہ انقلاب کا پیش خیمہ ہے جب قاہرہ، دمشق اور طہران خداوند یسوع مسیح کے خدام سے معمور نظر آئیں گے حتیٰ کہ صلیب کی چمک صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی خداوند یسوع مسیح کے شاگردوں کے ذریعہ مکّہ اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہوگی اور بالآخر وہاں اس حق وصداقت کی منادی کی جائے گی کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد برحق اور یسوع مسیح کو جانیں جسے تُو نے بھیجا ہے۔" (ترجمہ)

اس رُوح فرسا ماحول میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دعوئ مسیحیت کی پہلی کتاب "فتح اسلام" میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ:-

"مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو مَیں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لیئے بھیجا گیا ہوں۔ مَیں آسمان سے اُترا ہوں اُن پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے۔ جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرے کام کو پورا کرنے کے لیے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا بلکہ کر رہا ہے اور اگر مَیں چُپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رُکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اُترے ہیں اپنا

کام بند نہیں کر سکتے اور اُن کے ہاتھ میں بڑی بڑی گرزیں ہیں جو صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کچلنے کے لیئے دیئے گئے ہیں۔"

(صفحہ ۱۸ طبع اوّل)

نیز فرمایا :۔

"چونکہ یہ عاجز راستی اور سچائی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس لیئے تم صداقت کے نشان ہر ایک طرف سے پاؤ گے۔ وہ وقت دُور نہیں بلکہ بہت قریب ہے کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اُترتی اور ایشیا اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے۔ یہ تم قرآن شریف سے معلوم کر چکے ہو کہ خلیفۃ اللہ کے نزول کے ساتھ فرشتوں کا نازل ہونا ضروری ہے تاکہ دلوں کو حق کی طرف پھیریں سو تم اس نشان کے منتظر رہو۔"

(صفحہ ۲۲ طبع اوّل)

حضور ایک شعر میں یہ کشفی صداقت بے نقاب کرتے ہیں :۔

۵ اَرٰی فَوجَ الملائکۃ الکرام   بِکَفِّ المُصطفٰی اضحی الزمام

(اعجاز المسیح)

مَیں ملائکہ کرام کے لشکر دیکھتا ہوں جن کی باگ ڈور محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔

اِس پیشگوئی کے مطابق احمدیت کی پہلی صدی کے دَوران یورپ و امریکہ میں عیسائیت کی شکستِ فاش اور دینِ حق کی فتح و کامرانی کے لیئے ایسے ایسے طریق پر نزولِ ملائکہ ہوا کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اِس انقلابِ عظیم کی تفصیل تو بہت طویل ہے نمونۃً چند امور پر مشتمل ایک مختصر سا خاکہ پیش کرنا کافی ہوگا۔

اوّل ۔ مغربی محققین کو ۱۹۱۰ء میں حضرت اقدس مسیح موعود کے لیکچر "اسلامی

اصول کی فلاسفی" کے انگریزی ایڈیشن کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ وہ اب تک پادریوں کے فرضی اسلام ہی کو حقیقی اسلام سمجھے بیٹھے تھے۔ اِس کتاب سے انہوں نے پہلی دینِ حق کی خوشنما اور رُوح پرور تصویر دیکھی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور یورپ ذہن میں سنجیدگی سے قرآنی حقائق سمجھنے کا رجحان شروع ہوا۔ کاونٹ ٹالسٹائی نے کہا:۔

یہ خیالات نہایت گہرے اور سچے ہیں۔

۱۔ "تھیاسافیکل بُک نوٹس" (مارچ ۱۹۱۲ء) نے لکھا:۔

"Admirably calculated to appeal to the student of comparative religion, who will find exactly what he wants to know as Mohammedan doctrines on souls and bodies, divine existence, moral law and much else".

Theosophical Book Notes:

قابلِ تعریف جچا تُلا انداز جو موازنہ مذاہب کے طالب علم کو بہت متاثر کرتا ہے اِس کتاب میں اُسے وہ سب کچھ فراہم ہو جاتا ہے جو وہ شریعتِ محمدیہ کی روشنی میں رُوح، جسم، روحانی زندگی، اخلاقی قوانین اور دیگر بہت سے متعلقہ امور کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔

۲۔ "دی انگلش میل (مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۱ء) نے یہ رائے دی کہ:۔

"A summary of really Islamic Ideas".

The English Mail:

حقیقی اسلامی نظریات کا خلاصہ۔

۳۔ "دی برسٹل ٹائمز اینڈ مرر" نے تبصرہ کیا کہ :۔

"Clearly it is no ordinary person who thus addresses himself to the West".

The Bristol Times and Mirror:

یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں یورپ و امریکہ کو مخاطب کرتا ہے کوئی معمولی آدمی نہیں۔

۴۔ "دی ڈیلی نیوز (شکاگو) نے ۱۶ / مارچ ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں لکھا :۔

"The devout and earnest character of the author is apparent."

The Daily News, Chicago:—

مصنف کا نہایت پُرخلوص اور حقیقت پر مبنی کردار بالکل عیاں ہے۔

۵۔ "دی اینگلو بیلجین ٹائمز (برسلز) نے کتاب پر درج ذیل خیالات کا اظہار کیا :۔[۱]

"The Teaching of Islam" turns out a wonderful commentary on the Quran (the Muslim Scripture) itself. The author's method has a further moral, and this is one which, to our mind, all writers on religion will do well to consider. It is that a religious treatise should be affirmative rather than negative in character. It should insist on the beauties of one system rather than on the defects of another. "The Teachings of Islam" demonstrates the principle in a pre-eminent degree, and the result is that the author has been able, without being in the least bitter towards any non-Muslim system, to guide the reader to an appreciation of Muslim fundamentals such as would have been impossible otherwise. The book rings with sincerity and conviction." [۱]

The Anglo-Belgian Times, Brussels:-

---

[۱] بحوالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی قادیان جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰-۲۹۷ "چیلنج آف اسلام" سرورق ص۲-۳ طبع دہم۔ ناشر انجمن ترقی اسلام سکندرآباد، دکن۔

"ٹیچنگ آف اسلام" مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن مجید کی نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ مصنّف کا اسلوب بیان ایک مزید اخلاقی معیار قائم کرتا ہے جسے ہماری رائے میں مذہب پر قلم اٹھانے والے تمام مصنّفین کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جو یہ ہے کہ ایک مذہبی تصنیف کا انداز منفی نہیں بلکہ مثبت ہونا چاہیئے اور اسے ہر نوع کی خوبیاں واضح کرنا چاہئیں نہ کہ محض دوسروں کی خامیاں۔ یہ اصول کتاب "ٹیچنگز آف اسلام" نہایت واضح طور پر قائم کرتی ہے جس کی بناء پر اس کا مؤلّف، قاری کو اسلام کے بنیادی اصولوں کی ستائش کی ترغیب دلانے کی خاطر کسی غیر مسلم نظام کے خلاف تلخ رویّہ اختیار نہیں کرتا۔ اور یہ بات کوئی اور طرز بیان اختیار کرنے سے ممکن نہ تھی۔

الغرض یہ کتاب خلوص اور حق الیقین کا مرقع ہے۔

دوم ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ثابت کیا کہ موجودہ عیسائی مذہب کا موجد پولوس ہے۔ (الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء صفحہ ۷)

یورپ صدیوں سے عیسائیت کا گہوارہ بنا ہوا ہے اور کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں ہی نظریاتی کشمکش کے باوجود پولوس کو مسیحؑ کا رسول اور ترجمان یقین کرتے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود کے علم کلام اور احمدی مجاہدین کی مساعی کے نتیجہ میں اس تثلیث کدہ کے قلب سے یہ تحریک اُبھر رہی ہے کہ موجودہ عیسائیت کا بانی پولوس ہے۔ حضرت یسوع مسیحؑ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

چنانچہ زیورچ یونیورسٹی میں دینیات کے پروفیسر ڈاکٹر آنلڈ میئر
(Dr. Annold Meyer, Professor of Theology, Zurich University).
عیسائیت کا مطالعہ کرنے کے بعد ٹھیک اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

WHO FOUNDED CHRISTIANITY?

"If by Christianity we understand faith in Christ as the heavenly Son of God, who did not belong to earthly humanity, but who lived in the Divine likeness and glory, who came down from Heaven to earth, who entered humanity and took upon himself a human form through a virgin, that he might make propitiation for men's sins by his own blood upon the Cross, who was then awakened from death and raised to the right hand of God, as the Lord of his own people, who believe in him, who hears their prayers, guards and leads them, who, moreover dwells and works personally in each of them, who will come again with the clouds of Heaven to Judge the world, who will cast down all the foes of God, and will bring his own people with him unto the home of heavenly light so that they may become like His glorified body—IF THIS IS CHRISTIANITY, THEN SUCH CHRISTIANITY WAS FOUNDED BY ST. PAUL AND NOT BY OUR LORD". (Jesus or Paul, p. 122)

عیسائیت کی بنیاد کس نے رکھی ؟

اگر ہم عیسائیت سے مراد مسیح پر ایمان بحیثیت خدا کے آسمانی
بیٹے سے لیں جس کا ارضی انسانیت سے کوئی تعلق نہیں لیکن جس نے
خدا کی مشابہت اور خدائی شان کے ساتھ زندگی گزاری، جو آسمان
سے زمین پر اترا، جس نے ایک کنواری کے وسیلہ سے اپنی مرضی سے
انسانی شکل وصورت اختیار کی تا انسانوں کے گناہوں کا کفارہ صلیب
پر اپنے خون سے ادا کرسکے، جسے مرنے کے بعد زندہ کیا گیا اور پھر
اپنے شاگردوں کے خداوند کی حیثیت سے، خدا کے داہنے ہاتھ جا بیٹھا
اور جو اُن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اُن کی دُعائیں سُنتا اور قبول کرتا ہے،
اُن کی حفاظت اور رہنمائی کرتا ہے۔ مزید برآں جو اُن (شاگردوں کے

دلوں میں) قیام کرتا ہے اور ذاتی طور پر ہر ایک کے وجود میں کارفرما ہے، جو آسمانی بادلوں کے ساتھ زمین کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے دوبارہ جلوہ گر ہو گا۔ جو خدا کے سب دشمنوں کو غمزدہ کر دے گا اور اپنے ساتھ اپنے شاگردوں کو آسمانی نور کے جلو میں لائے گا تا وہ اُس کے نورانی وجود جیسے بن جائیں —— اگر یہ عیسائیت ہے تو یقیناً اسے سینٹ پال نے قائم کیا ہے نہ کہ ہمارے آقا (یسوع مسیح) نے۔

سوم ۔ ظہورِ احمدیت کے بعد مستشرقینِ یورپ کے خیالات میں زبردست تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ قبل ازیں وہ مدّت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نہایت بے باکی سے ہرزہ سرائی میں سرگرم تھے اور اُن کی دریدہ دہنی انتہاء تک پہنچ گئی تھی۔ اور وہ اسلام کو خونی مذہب قرار دیتے تھے اور اس کی اشاعت کو تلوار کا مرہونِ منّت جانتے تھے مگر بیسویں صدی میں وہ برملا اعتراف کر رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے مثال شخصیّت اور محسنِ انسانیت ہیں اور اسلام آزادیٔ فکر اور رواداری کا علمبردار مذہب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک الزامات محض تعصب کا نتیجہ ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں۔

اِس انقلابی رجحان کی بہترین مثال نیپلز یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر وگلیری[۵] کی کتاب "اسلام پر ایک نظر" (APOLOGIA DELL' ISLAMISMO) ہے جو پہلی دفعہ ۱۹۲۵ء میں اطالوی زبان میں چھپی۔ بعد ازاں الڈو کیسلی

---

۵ LAURA VECCIA VEGLIERI

(ALDO CASELLI) ایسے فاضل اور مشہور ادیب نے اس کا انگریزی میں ترجمہ[1] کیا جسے ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ناصر ایم اے پی ایچ ڈی نے احمدیہ مشن واشنگٹن سے شروع ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ پیش لفظ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب جج عالمی عدالت نے رقم فرمایا۔

اگست ۱۹۵۷ء میں ماہر لسانیات محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ (امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد) کے قلم سے اس کا شستہ اور دلنشیں انداز اردو ترجمہ ہوا جسے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے اپنے مشہور رسالہ "الفرقان" (ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء) میں پہلے بطور ضمیمہ سپرد اشاعت کیا پھر اسے مستقل رسالہ کی صورت میں چھپوا دیا۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے ترجمہ کتاب سے قبل "تعارف" کے زیر عنوان لکھا "اس کتاب کی دلآویزی، معنی آفرینی، اختصار اور جامعیت، وسعتِ نظر اور انصاف پسندی اپنی نظیر آپ ہے اور ہماری تعریف و توصیف سے مستغنی ہے" (صفحہ ۷)

اس کتاب کے انگریزی ترجمہ نے عرب حلقوں میں دھوم مچا دی۔ اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھ کر دنیائے عرب کے ممتاز اہلِ قلم اور ادیب منیر البعلبکی نے اسے عربی زبان میں منتقل کیا جو حضرت چودھری محمد ظفراللہ خان صاحب کے عربی پیش لفظ کے ساتھ "دار العلم للملایین" بیروت نے شائع کیا۔ کتاب کا یہ عربی ایڈیشن "دفاع عن الاسلام" کے نام سے چھپا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ ۱۹۸۱ء تک اس کے پانچ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

ڈاکٹر وگلیری کو اگرچہ یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام اور آنحضرت

---

[1] عنوان: AN INTERPRETATION OF ISLAM

صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی تو برطانیہ کے عظیم مفکر جارج برناڈ شا (G.B.SHAH) کا نام اس لیئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ انہوں نے پادریوں کی اسلام دشمنی کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے لکھا:۔

(G.B. SHAH)

"The medieval ecclesiastics, either through ignorance or bigotry painted Muhammadanism in the darkest colours. They were, in fact, trained to hate both the man Mohammad and his religion. To them Muhammad was anti-Christ. I have studied him, the wonderful man, and in my opinion, far from being an anti-Christ, he must be called the saviour of humanity. I believe if a man like him were to assume dictatorship of the modern world, he would succeed in solving its problems in a way that would bring in the much needed peace and happiness. Europe is beginning to be enamoured of the creed of Muhammad. In the next century it may go still further in recognising the utility of that creed in solving its problems and it is in this sense that you must understand my prediction. Already, even at the present time, many of my own people and of Europe as well have come over to the faith of Muhammad. And the Islamisation of Europe may be said to have begun".

(On Getting Married By George Bernard Shaw)

"ازمنۂ وسطیٰ کے علماء نے جہالت یا تعصب کی بناء پر اسلام کو نہایت بھیانک رنگ میں پیش کیا تھا۔ دراصل ان کی تربیت ہی اس رنگ میں کی جاتی تھی کہ وہ محمدؐ اور ان کے مذہب سے نفرت کریں۔ اُن کے نزدیک محمدؐ مسیحؑ کے مخالف تھے۔ میں نے محمد (صلعم) کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ عجیب شان کا انسان ہے اور میری رائے میں وہ ہرگز مسیحؑ کے خلاف نہیں۔ انہیں انسانیت کا نجات دہندہ

کہنا چاہیئے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر ایسا شخص موجودہ زمانے میں اقتدار سنبھالے تو وہ موجودہ مسائل ایسے رنگ میں حل کر سکتا ہے کہ دُنیا امن اور مسرت سے معمور ہو جائے گی۔

اب یورپ اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے لگ گیا ہے اور اگلی صدی میں یورپ اپنے مسائل کو حل کرنے میں اس دین کی افادیت کو اور بھی زیادہ تسلیم کرنے کا اہل ہوگا۔

یہی وہ نقطۂ نگاہ ہے جس کی روشنی میں میری اس پیشگوئی کو سمجھنا چاہیئے۔ آجکل بھی میرے مُلک اور یورپ کے بہت سے باشندے اسلام کو قبول کر چکے ہیں اور یورپ کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی مُہم کا آغاز ہو چکا ہے۔"

بعض دیگر مستشرقین کے تاثرات

۱۔ لینارڈ (LEONARD, ARTHURG) لکھتا ہے:۔

(حضرت محمدؐ) "عظیم ——— محض اس لیئے ہیں کہ وہ ایک روحانی پیشوا تھے۔ انہوں نے ایک عظیم ملّت کو جنم دیا۔ اور ایک عظیم سلطنت قائم فرمائی۔ بلکہ ان سب سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک عظیم عقیدہ کا پرچار کیا۔ مزید برآں اس لیئے بھی (عظیم تھے) کہ وہ اپنے آپ سے بھی مخلص و وفادار تھے، اپنے امتیوں سے بھی مخلص تھے اور اور اپنے اللہ سے بھی مخلص و وفادار تھے۔ ان باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام ایک کامل سچا مذہب ہے، جو اپنے

ماننے والوں کو انسانیت کی تاریک گہرائیوں سے نکال کر نور وصداقت
کی رفعتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔"

(LEONARD, MAJOR A.G. ISLAM- HER MORAL AND
SPIRITUAL VALUE LONDON 1927 P. 20-21)

۲۔ کارلائل (CARLYLE THOMAS) لکھتا ہے :-

"عرب قوم کو یہی نور ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لایا۔ عرب
کو اسی کے ذریعہ پہلے پہل زندگی ملی۔ بھیڑوں بکریوں کے چرانے
والے لوگ، جو ازل سے صحراؤں میں بے کھٹکے، بے روک ٹوک گھومتے
پھرتے تھے کہ ایک "ہیرو پیغمبر" اُن کی طرف بھیجا گیا۔ ایک پیغام کے
ساتھ، جس پر وہ ایمان لا سکتے تھے۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ جو کسی
کے نزدیک قابلِ اعتنا نہ تھے، دُنیا بھر کے لیے قابلِ ذکر بن گئے۔"

(CARLYLE, THOMAS, THE HERO AS PROPHET
ISLAM SERVICE LEAGUE...BOMBAY P. 23, 24

۳۔ ایچ۔ جی ویلز (WELLS. H. G) لکھتا ہے :-

"یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدق کی دلیل قاطع ہے کہ اُن سے
قربت رکھنے والے لوگ، اُن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ اُن کے اسرار
رموز سے پوری طرح واقف تھے اور اگر انہیں اُن کی صداقت میں
ذرّہ برابر بھی شُبہ ہوتا تو اُن پر وہ ہرگز ایمان نہ لاتے۔"

(زکریا ہاشم زکریا (بحوالہ ھ۔ ج۔ ویلز) ص ۲۷۰)

۴۔ واٹ ڈبلیو منٹگمری (WATT. W. MONTGOMARY) لکھتا ہے :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کارلائل کے خطبات کے بعد سے

مغرب کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنجیدگی پر یقین کرنے کی معقول وجوہات موجود ہیں۔ اپنے ایمان و عقیدہ کی خاطر مظالم سہنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا، ان پر اعتقاد رکھنے والوں کا اعلیٰ اخلاق و کردار، اور ان کی طرف امام و پیشوا کی حیثیت سے دیکھنا، پھر آخر کار ان کی عظمتیں اور کامیابیاں، یہ سب دلیل ہیں ان کے اخلاص کامل کی۔ اس لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک مدعی کاذب (IMPOSTER) قرار دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں تاریخ کی کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جسے مغرب میں اس قدر کم سراہا گیا ہو جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو۔ اس لیے اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ بھی سمجھنے کی نیت رکھتے ہوں، تو ضروری ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے مشن میں دیانت دار قرار دیں اور مقصد سے ان کے خلوص اور وابستگی کے قائل ہو جائیں۔ اگر ہم ان غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں جو اپنے ماضی سے ہم نے ورثہ میں پائی ہیں تو ہمیں ہر معاملہ میں ان کے خلوص اور دیانت کو بہر حال پیشِ نظر رکھنا ہو گا جب تک کہ کوئی الزام ان کے خلاف پوری طرح ثابت نہ ہو جائے۔"

(WATT. W. MONTGOMARY. MUHAMMAD AT MECCA. OXFORD 1953. P 52)

"حالات، مواقع اور وقت سب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دیا اور مختلف عوامل نے مل کر ان کی زندگی میں کامیابیوں

کی اور ان کے بعد اسلام کی توسیع و ترقی کی راہ ہموار کی.....
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں صفات و کمالات کا جو حسین
امتزاج موجود تھا اُس کی تین جہتیں تھیں۔ ایک نبوّت کا فیضان
..... دوسرے سیاست و حکمرانی میں اُن کی بصیرت..... اور
تیسرے ایک منتظم کی حیثیت سے اُن کی مہارت و حذاقت اور
تمام مناصب پر اہل ترین افراد کا انتخاب ..... جب کوئی اسلام
کی ابتدائی تاریخ اور سیرتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس حد
تک نظر ڈالتا ہے وہ اُسی حد تک اُن کی کامیابیوں اور کامرانیوں
پر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ حالات نے انہیں کس درجہ
سازگاری عطا کی۔ اُس طرح کے مواقع تو کسی کو شاذ و نادر حاصل
ہوتے ہیں۔ بالکل وقت کی آواز بن کر ایک پیغمبر اور ایک منتظم
کی حیثیتیں انہیں اگر حاصل نہ ہوتیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان
کے پیچھے ایک خدا پر انہیں غیر متزلزل اعتقاد نہ ہوتا، اور اگر وہ اِس
یقینِ محکم سے بہرہ ور نہ ہوتے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں تو شاید
تاریخِ انسانیت کا ایک اہم اور قابلِ ذکر باب رقم ہو جانے سے
رہ جاتا۔"

(WATT. W. MONTGOMERY. MOHAMMAD PROPHET AND
STATESMAN OXFORD UNIVERSITY PRESS LONDON 1961
P. 236-237)[1]

---

[1] ماخوذ نقوش "رسول نمبر" جلد ۱۱ صفحہ ۵۴۰-۵۵۰۔

حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۳ء میں پیشگوئی فرمائی تھی ؎

وَ وَاللّٰہِ یُثْنِیْ فِی الْبِلَادِ اِمَامُنَا

اِمَامُ الْاَنَامِ الْمُصْطَفٰی الْمُتَخَیَّر

(کرامات الصادقین)

اور اللہ کی قسم ملکوں میں ہمارے امام کی تعریف کی جائے گی جو ساری دنیا کا امام ہے برگزیدہ اور چنا ہوا۔

چہارم ۔ حضرت مسیح موعود نے عہدِ حاضر میں سب سے پہلے یہ نکتہ پیش فرمایا کہ مذہب خدا کا قول ہے اور سائنس اس کا فعل اس لیئے ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا۔

مشہور برطانوی سیاح، ہیئت دان اور لیکچرار مسٹر کلیمنٹ ریگ نے مئی ۱۹۰۸ء میں دو بار حضرت اقدس سے ملاقات کی اور گناہ، نجات، رُوحوں سے ملاقات، ذات وصفاتِ باری، ڈارون کا نظریۂ ارتقاء، تاثیر اجرام سماوی وغیرہ امور پر کئی سوالات کیئے۔ اس ملاقات میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب ؓ بھی موجود تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ مسٹر کلیمنٹ حضور کے تسلی بخش اور بصیرت افروز جوابات سے بہت خوش ہوئے اور کامل اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اٹھا دیا ہے۔

حضور نے فرمایا :-

”یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ مذہب

؎ بانی احمدیہ مشن امریکہ۔

اور سائنس میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔"
(اخبار الحکم قادیان ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء۔ ملفوظات جلد دہم صفحہ ۴۳۵ مطبوعہ جنوری ۱۹۶۷ء ربوہ)

پروفیسر ریگ نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور مرتے دم تک نہایت ثابت قدمی سے عقیدہ پر قائم رہے۔ (ذکر حبیب صفحہ ۴۲۲ مصنفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب)

یورپ کے ممتاز سائنسدان چارلس ایچ ٹاونسن صاحب میسا چوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں طبعیات کے پروفیسر ہیں ۱۹۶۴ء میں طبعیات میں ہی اُن کو نوبل پرائز کا اعزاز ملا۔ مسٹر چارلس اپنے ایک فکر انگیز مقالہ بعنوان "مذہب اور سائنس کا مستقبل" میں لکھتے ہیں :۔

"میرے نزدیک سائنس اور مذہب دونوں کی حیثیت آفاقی ہے اور بنیادی طور پر دونوں بے حد مشابہ ہیں۔"

"اگر سائنس و مذہب وسیع طور پر اس قدر مماثل ہیں اور اپنے خود ساختہ تنگ دائروں تک محدود نہیں تو کبھی نہ کبھی وہ واضح طور پر ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں کا اتحاد ناگزیر ہے۔ کیونکہ دونوں کائنات کے فہم کے لیئے انسان کی کوششوں کے مظہر ہیں اور غائی طور پر دونوں کا موضوع ایک ہی ہے۔ جوں جوں ان میں سے کسی ایک دائرے میں ہمارا علم بڑھتا جائے گا اُسی قدر دونوں کی باہمی قرابت ناگزیر ہوتی جائیگی۔

اِس اتحاد کے وجود میں آتے آتے سائنس غالباً انیسویں صدی کی طرح کے کسی زبردست انقلابات سے گزر چکا ہوگا۔ اس وقت سائنس کی ماہیت وہ ہوگی جس کا آج کے سائنسدان عموماً تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ غالباً مذہب کے بارے میں ہمارے فہم میں زبردست ترقی اور تبدیلی آ چکی ہوگی مگر دونوں کا اتحاد تو بالآخر ہونا ہی ہے اور اس اتحاد کے ذریعے دونوں ایک نئی توانائی سے معمور ہو جائیں گے۔"[1]

(ترجمہ)

نوبل انعام یافتہ سائنسدان مدّتوں کی ریسرچ کے بعد جس حقیقت تک آج پہنچے ہیں اس کا مکمل انکشاف حضرت مسیح موعود کم و بیش ایک صدی پیشتر فرما چکے ہیں اور حق یہ ہے کہ احمدیت کے مایۂ ناز فرزند اور عہدِ حاضر کے شہرۂ آفاق سائنسدان ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی جدید تحقیق نے اس تھیوری پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ دنیا بھر کے سائنسدان بالآخر یہ تسلیم کرینگے کہ "مذہب خدا کا قول ہے اور سائنس اُس کا فعل"۔

پنجم۔ برِّ صغیر کے مشہور مسلمان لیڈر سر سید احمد خان بانیٔ علیگڑھ تحریک مغربی فلسفہ سے بہت مرعوب تھے اور اپنی تفسیر القرآن میں اُنہوں نے مغرب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ حضرت مسیح موعود نے اِس معذرت خواہانہ روش کے خلاف جہاد کرتے ہوئے یہ پُرشوکت اور پُرجلال پیشگوئی فرمائی کہ:-

"اِس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی

---

[1] مقالہ کا اردو ترجمہ جناب عبد القدیر سلیم کے قلم سے رسالہ "چراغِ راہ" کراچی (اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۱-۲۵) میں شائع شدہ ہے۔

ہو رہی ہے اُس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بے دل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائیگا حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں، کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار اُن کے لیئے ہزیمت ہے۔ مَیں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے۔ جس علم کی رُو سے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علومِ مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو اِن چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔ اُس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور مَیں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اُس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔"

نیز فرمایا :۔

"یاد رہے کہ قرآن کا ایک نقطہ یا شعشہ بھی اوّلین اور آخرین کے فلسفہ کے مجموعی حملہ سے ذرہ سے نقصان کا اندیشہ نہیں رکھتا۔

وہ ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرے گا اُس کو پاش پاش کردے گا۔
اور جو اُس پر گرے گا وہ خود پاش پاش ہو جائے گا۔ پھر آپ کو
دب کر صُلح کرنے کی کیوں فکر پڑ گئی۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام حاشیہ صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۷ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود و مہدی کی یہ پیشگوئی حرف بحرف
پوری ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک غیر مسلم فرانسیسی محقق ڈاکٹر موریس بوکالئے (DR:
MAURICE BUCAILLE) نے بائبل، قرآن اور سائنس (THE BIBLE
THE QURAN AND SCIENCE) کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے
جس نے دُنیا بھر کو چونکا دیا ہے۔

اِس تصنیف میں انہوں نے سائنس کی ثابت شدہ صداقتوں کی روشنی میں
ثابت کیا ہے کہ جہاں بائبل تضادات، ناممکنات اور تناقضات کا ملغوبہ
ہے وہاں قرآنی بیانات سائنس کے جدید انکشافات کے عین مطابق ہیں۔ جو
اس کے وحی آسمانی ہونے کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر موریس
بوکالئے بائیل اور قرآن کا سائنسی انداز میں تقابلی مطالعہ اور موازنہ کرنے کے
بعد آخری فصل میں لکھتے ہیں :-

General Conclusions

The Old Testament represents a vast number of literary works written over a period of roughly nine hundred years. It forms a highly disparate mosaic whose pieces have, in the course of centuries, been changed by man. Some parts were added to what already existed, so that today it is sometimes very difficult indeed to identify where they came from originally.

Through an account of Jesus's words and deeds, the Gospels were intended to make known to men the teachings He wished to leave them on completion of His earthly mission. Unfortunately, the authors of the Gospels were not eyewitnesses of the data they recorded. They were spokesmen who expressed data that were quite simply the information that had been preserved by the various Judeo-Christian communities on Jesus's public life, passed down by oral traditions or writings which no longer exist today, and which constituted an intermediate stage between the oral tradition and the definitive texts.

This is the light in which the Judeo-Christian Scriptures should be viewed today, and—to be objective—one should abandon the classic concepts held by experts in exegesis.

The inevitable result of the multiplicity of sources is the existence of contradictions and oppositions: many examples have been given of these. The authors of the Gospels had (when talking of Jesus) the same tendency to magnify certain facts as the poets of French Medieval literature in their narrative poems. The consequence of this was that events were presented from each individual narrator's point of view and the authenticity of the facts reported in many cases proved to be extremely dubious. In view of this, the few statements contained in the Judeo-Christian Scriptures which may have some-thing to do with modern knowledge should always be examined with the circumspection that the questionable nature of their authenticity demands.

Contradictions, improbabilities and incompatibilities with modern scientific data may be easily explained in terms of what has just been said above. Christians are nevertheless greatly surprised when they realize this, so great have been the continuous and far-reaching efforts made until now by many official commentators to camouflage, under cunning dialectical acrobatics orchestrated by apologetic lyricism, the very obvious results of modern studies. A case in point are the genealogies of Jesus given in Matthew and Luke, which

were contradictory and scientifically unacceptable. Examples have been provided which reveal this attitude very clearly. John's Gospel has been given special attention because there are very important differences between it and the other three Gospels, especially with regard to the fact that his Gospel does not describe the institution of the Eucharist: this is not generally known.

The Qur'anic Revelation has a history which is fundamentally different from the other two. It spanned a period of some twenty years and, as soon as it was transmitted to Muhammad by Archangel Gabriel, Believers learnt it by heart. It was also written down during Muhammad's life. The last recensions of the Qur'an were effected under Calif Uthman starting some twelve years after the Prophet's death and finishing twenty-four years after it. They had the advantage of being checked by people who already knew the text by heart, for they had learnt it at the time of the Revelation itself and had subsequently recited it constantly. Since then, we know that the text has been scrupulously preserved. It does not give rise to any problems of authenticity.

The Qur'an follows on from the two Revelations that preceded it and is not only free from contradictions in its narrations, the sign of the various human manipulations to be found in the Gospels, but provides a quality all of its own for those who examine it objectively and in the light of science i.e. its complete agreement with modern scientific data. What is more, statements are to be found in it (as has been shown) that are connected with science: and yet it is unthinkable that a man of Muhammad's time could have been the author of them. Modern scientific knowledge therefore allows us to understand certain verses of the Qur'an which, until now, it has been impossible to interpret.

The comparison of several Biblical and Qur'anic narrations of the same subject shows the existence of fundamental differences between statements in the former, which are scientifically unacceptable, and declarations in the latter which are in perfect agreement with modern data; this was

the case of the Creation and the Flood, for example. An extremely important complement to the Bible was found in the text of the Qur'an on the subject of the history of the Exodus, where the two texts were very much in agreement with archaeological findings, in the dating of the time of Moses. Besides, there are major differences between the Qur'an and the Bible on other subjects: they serve to disprove all that has been maintained—without a scrap of evidence—on the fact that Muhammad is supposed to have copied the Bible to produce the text of the Qur'an.

When a comparative study is made between, on the one hand, the statements connected with science to be found in the collection of hadiths, which are attributed to Muhammad but are often of dubious authenticity (although they nevertheless reflect the beliefs of the period), and on the other, the data of a similar kind in the Qur'an, the disparity becomes so obvious that any notion of a common origin is ruled out.

In view of the state of knowledge in Muhammad's day, it is inconceivable that many of the statements in the Qur'an which are connected with science could have been the work of a man. It is, more-over, perfectly legitimate, not only to regard the Qur'an as the expression of a Revelation, but also to award it a very special place on account of the guarantee of authenticity it provides and the presence in it of scientific statements which, when studied today, appear as a challenge to human explanation." *(P: 220-222)*

ترجمہ :-

عام نتائج

اس مطالعہ کے اختتام پر ایک حقیقت جو نہایت واضح طور پر سامنے آتی ہے یہ ہے کہ صحفِ مقدسہ کے متون پر مغرب میں جو غالب رائے اس وقت دکھائی

دیتی ہے وہ مشکل سے حقیقت پر مبنی قرار دی جا سکتی ہے۔ ہم نے اُن حالات اُن زمانوں اور اُن طریقوں کا جائزہ لیا ہے جن میں عہد نامہ قدیم، اناجیل اور قرآن کے عناصر کو جمع کیا گیا اور تحریر میں لایا گیا۔ وہ حالات جو ان الہامی صحیفوں کے وجود میں آنے کے وقت تھے آپس میں ایک دوسرے سے بڑی حد تک مختلف تھے جو ایک ایسی حقیقت ہے کہ ان متون اور ان کے مضامین کے بعض پہلوؤں کے استناد سے متعلق بے انتہا اہمیت کی حامل ہے۔

عہد نامہ قدیم ایسی متعدد ادبی تحریروں پر مشتمل ہے جو تقریباً نو سو سال کی مدت میں لکھی گئیں۔ یہ ایک انتہائی غیر یکساں اور مختلف النوع پچیکاری کا کام ہے جس کے ٹکڑوں کو صدیوں کے دوران انسان نے بدل دیا ہے۔ جو چیز پہلے سے موجود تھی اس میں کچھ حصّوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آج یہ بتانا بعض اوقات نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ ابتداءً وہ کہاں سے آئے تھے۔

اناجیل کا مقصد حضرت یسوع مسیح کے اقوال و افعال کے ذریعہ لوگوں کو وہ تعلیمات پہنچانا تھا جو وہ اپنی حیاتِ دنیوی کے مشن کی تکمیل کے وقت لوگوں کو دینا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے اناجیل کے مصنّفین اُن معلومات کے جو انہوں نے درج کیں عینی شاہد نہیں تھے، وہ صرف ترجمان تھے جنہوں نے اُن معلومات کا اظہار کیا جو سیدھے طریقے پر ایسی خبریں تھیں جن کو مختلف یہودی عیسائی فرقوں نے حضرت یسوع مسیح کی قومی زندگی سے متعلق محفوظ کیا تھا اور جو زبانی روایت اور ایسی تحریروں کے ذریعہ منتقل ہوئی تھیں جن کا آج کوئی وجود نہیں ہے اور جو زبانی روایت اور قطعی متون کے بیچ میں ایک درمیانہ درجہ تھا۔

آج اس روشنی میں یہودی۔عیسائی صحف کا جائزہ لینا چاہیئے اور ——— معروضی طریقہ اختیار کرنے کے لیئے ——— وہ کلاسیکی تصوّر ترک کر دینا چاہیئے جو ماہرین نے تفاسیر میں پیش کیا ہے۔

ذرائع کی کثرت کا ناگزیر نتیجہ یہ ہے کہ تناقضات اور اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان کی بہت سی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ اناجیل کے مصنفین کا (جب وہ یسوع مسیح کے متعلق گفتگو کرتے ہیں) بعض واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں وہی رویہ ہوتا تھا جو اپنی بیانیہ نظموں میں فرانسیسی متوسط دور کے ادب کے شعر کا ہوتا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ واقعات ہر انفرادی بیان کرنے والے کے نقطۂ نظر کو ظاہر کرتے تھے اور اس لیئے اکثر حالتوں میں جو واقعات بیان کیئے جاتے تھے اُن کا استناد بے انتہاء مشکوک و مشتبہ ہو گیا ہے۔ اس چیز کے پیش نظر یہودی عیسائی صحیفوں میں سے اُن چند بیانات کا جو جدید معلومات سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں جائزہ ہمیشہ اُس حزم و احتیاط سے لینا چاہیئے۔ جو اُن کے استناد کی مشتبہ نوعیت کا اقتضا ہے۔

تضادات، ناممکنات اور تناقضات جو جدید سائنسی معلومات سے ہوتے ہیں اُن کو اُن الفاظ میں بہ آسانی بیان کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں صدر میں بتایا جا چکا ہے لیکن عیسائیوں کو زیادہ حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ جدید مطالعہ کے بہت سے بدیہی نتائج میں دھوکہ دینے کی غرض سے متعدد سرکاری شارحین کی ایسی مسلسل اور دور رس کوششیں رہی ہیں کہ انہوں نے عذر خواہانہ ترنم ریزی سے نغمہ کے سُروں کو ترتیب دے کر بڑی چالاکی کے ساتھ منطقی نوعیت کے مداریوں کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی واضح مثال حضرت یسوع مسیح کے وہ نسب نامے ہیں جو متی اور لوقا نے دیئے ہیں جن میں باہم تضاد ہے اور جو سائنسی اعتبار سے ناقابل قبول ہیں۔ بعض ایسی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے اس رویہ کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے۔ یوحنا کی انجیل پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیئے اس لیئے کہ اس میں اور ابتدائی تین انجیلوں کے درمیان بڑے

اہم اختلافات ہیں۔ بالخصوص یہ حقیقت سامنے ہے کہ اِس انجیل میں مقدس عشائے ربّانی کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور یہ بات عام طور پر لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔

نزولِ قرآن کی ایک تاریخ ہے جو بنیادی طور پر اِن دونوں سے مختلف ہے۔ اس کا پھیلاؤ لگ بھگ بیس سال کی مدّت پر ہے۔ جیسے ہی یہ حضرت جبریل کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتا تھا ویسے ہی اہلِ ایمان اس کو حفظ کر لیتے تھے۔ پھر اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دَوران ضبطِ تحریر میں بھی لے آیا گیا تھا۔ قرآن کریم کی آخری تنقیحات خلیفۃ الرسول حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کی گئیں جس کی ابتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بارہ سال بعد اور انتہاء چوبیس سال بعد ہوئی۔ اُس وقت یہ فائدہ حاصل تھا کہ جن لوگوں کو قرآن پہلے ہی سے حفظ یاد تھا اُن سے اس کا موازنہ کر لیا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے بوقتِ نزول ہی اُس کو یاد کر لیا تھا اور بعد میں برابر اس کی تلاوت کرتے رہے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ متن کو اُسی وقت سے پوری دیانت داری سے محفوظ کیا گیا ہے اس کی وجہ سے استناد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن مجید اُن دونوں صحیفوں سے جو اُس سے قبل نازل ہوئے تھے بڑھ چڑھ کر اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ اور اپنے بیانات کے لحاظ سے تضادات و تناقضات سے پاک ہے جبکہ اناجیل میں انسان کی کارگزاریوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ قرآن کی اُن لوگوں کے لیئے جو معروضی طور پر اور سائنسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں ایک الگ خوبی ہے۔ وہ خوبی جدید سائنسی معلومات سے اُس کی کلّی طور پر مطابقت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر جو بات ہے وہ یہ کہ اس میں ایسے بیانات موجود ہیں (جیسا کہ بتایا جا چکا ہے) جو سائنس سے مربوط ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات ناقابلِ تصوّر ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا کوئی شخص اس

کا مصنف ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سائنسی معلومات ہی نے ہمیں قرآن کریم کی بعض آیات کو سمجھنے کا موقع دیا ہے جن کی توضیح کرنا اُس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔

بائبل اور قرآن کے ایک ہی مضمون کے کئی بیانات کے موازنہ سے وہ بنیادی اختلافات ظاہر ہوتے ہیں جو اوّل الذکر کے بیانات کے جو سائنسی اعتبار سے ناقابلِ قبول ہیں اور مؤخر الذکر کے بیانات کے جو جدید معلومات سے ہم آہنگی رکھتے ہیں درمیان دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً تخلیق اور طوفانِ عالمگیر کے واقعات ہیں۔ البتہ بائبل کا ایک انتہائی ضروری تکملہ جو قرآن مجید کے متن میں خروج کی تاریخ کے موضوع پر ہے، اثریاتی تحقیقات کے ساتھ بے انتہا مطابقت رکھتا ہے۔ یہ تحقیقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی تعیین سے متعلق ہے۔ علاوہ ازیں دیگر موضوعات پر قرآن اور بائبل میں بڑے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات اُس دعویٰ کو غلط ثابت کر دیتے ہیں جس میں بغیر ذرا سی شہادت کے یہ کہا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لیئے بائبل کی نقل کر ڈالی۔

جب سائنس سے متعلق بیانات کا جو اُن احادیث کے مجموعہ میں پائے جاتے ہیں جن کا انتساب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جاتا ہے لیکن جن میں سے اکثر مشتبہ ہیں (حالانکہ وہ اُس دَور کے عقائد کی عکاسی کرتی ہیں) قرآن میں شامل اُسی قسم کی معلومات سے تقابلی موازنہ کیا جاتا ہے تو غیر یکسانیت اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اُن دونوں کے ایک ہی ماخذ ہونے کا تصوّر خارج از بحث ہو جاتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابلِ تصوّر معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں کسی بشر کا کام ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہ بات مکمّل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔ لیکن ساتھ ہی اُس استناد کے سبب جو اس سے فراہم

ہوتی ہے نیز اُن سائنسی بیانات کی وجہ سے جن کا آج بھی مطالعہ کرنا بنی نوع انسان کے لیے ایک چیلنج ہے اس کو ایک انتہائی خصوصی مقام حاصل ہے۔

ششم صلیبی مذہب کے دو ستون تھے۔ (۱) حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت (۲) آپ کا زندہ ہو کر آسمان پر جانا۔

حضرت مسیح موعود کے علم کلام کا یہ زندہ اور محیّر العقول معجزہ ہے کہ عیسائی دنیا نے اپنے ہاتھوں سے ان ستونوں کو پیوندِ خاک کر دیا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے ایک باا ثر مسیحی ادارہ نے جو دنیا کے مشہور عیسائی سکالرز پر مشتمل تھا کئی برسوں کی تحقیق کے بعد یہ انکشاف کیا کہ مرقس اور لوقا کی وہ آیات جن میں مسیح کے صعود الی السماء کا ذکر ہے سراسر وضعی اور جعلی ہیں۔

امریکی چرچ کی نیشنل کونسل نے اس تحقیق کی بناء پر ایک نیا معیاری اور مستند ترجمہ ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن (REVISED STANDERD VERSION) کے نام سے شائع کیا اور اس میں سے دیگر الحاقی "آیات" کے علاوہ ان آیات کو بھی بائبل کے متن سے خارج کر دیا جس نے عیسائیت کے تمام حلقوں میں صفِ ماتم بچھا دی ہے۔

چنانچہ پاکستان کے بعض مسیحی لیڈروں نے نہایت خوفزدہ ہو کر لکھا ہے کہ:

> "مترجمین کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جہاں تک ہو سکے کلامِ مقدّس میں سے وہ تمام آیات حذف کر دی جائیں جن سے خداوند یسوع مسیح کا تجسّم، الوہیت، کفّارہ، مُردوں میں سے زندہ ہونا، اور آسمان پر صعود فرمانا ثابت ہوتا ہے تاکہ خداوند یسوع مسیح کی دوبارہ آمد مشکوک ہو جائے اور خداوند کو وہی حیثیت حاصل رہے جو دوسرے انبیاء کو حاصل ہے۔ اور

انہوں نے اِس طرح خداوند مسیح کی الوہیت اور پاکیزگی اور فوق البشر ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ ایک ایسی مذموم عبارت ہے کہ اس کی موجودگی میں مسیحیت کی ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے!"

(ماہنامہ "کلام حق" گوجرانوالہ بابت اپریل ۱۹۷۸ء صفحہ ۷)

موازنہ مذاہب کے مشہور ہسپانوی سکالر فیبر قیصر (A. FABER-KAISER) قبر مسیح کی تحقیق کے لئے خود کشمیر گئے اور انتہائی محنت و قابلیت سے قابلِ قدر تاریخی معلومات فراہم کر کے ایک ضخیم کتاب شائع کی جس کا نام ہی یہ رکھا کہ (JESUS DIED IN KASHMIR) یسوع کشمیر میں فوت ہوئے۔ [1]

ایک برطانوی سیّاح میکائیل برک (MICHAEL BURKE) نے انکشاف کیا ہے کہ ہرات میں انہوں نے ایک قدیم عیسائی فرقہ دیکھا جن کا مذہبی لیڈر رابا یحییٰ ہے۔ اس فرقہ کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب سے زندہ اُتر آئے اور ہجرت کر کے کشمیر تشریف لے گئے اسی لئے آپ عیسیٰ بن مریم ناصری کشمیری کہلائے۔ برطانوی سیّاح لکھتا ہے:۔

THE FOLLOWERS OF JESUS

The followers of Isa, son of Maryam — Jesus the son of Mary—generally call themselves Moslems and inhabit a number of villages scattered throughout the Western area of Afghanistan whose centre is Herat. I had heard of them several times, but considered that they were probably people who had been converted by European missionaries from

---

[1] ناشر: GORDON CREMONESI - لنڈن

Eastern Persia, or else that they were a relic of the times when Herat had been a flourishing bishopric of the Nestorian rite, before the Arabs conquered Persia in the seventh and eight centuries.

But, from their own accounts and what I could observe, they seem to come from some much older source.

I found them through one of the deputies of the Mir of Gazarga, the descendant of Mohammad under whose protection they are. Gazarga is the shrine where Abdullah Ansar, a Sufi mystic and great local saint, is buried in a magnificent tomb formerly much visited by the emperors of India and other notables.

There must be about a thousand of these Christians. Their chief is the Abba Yahiyya (Father John), who can recite the succession of teachers through nearly sixty generatons to—Isa, son of Mary, of 'nazara', the Kashmiri.

According to these People, Jesus escaped from the Cross, was hidden by friends, was helped to flee to India, where he had been before during his youth, and settled in Kashmir, where he is revered as an ancient teacher, Yuz Asaf. It is from this period of the supposed life of Jesus that these people claim to have got their message.

AMONG THE DERVISHES

P: 107

An account of travels in Asia and Africa, and four years studying the Dervishes, Sufis and Fakirs, by living among them.

THE OCTAGON PRESS LONDON
(طبع سوم) **3rd EDITION 1984**

(ترجمہ)

یسوع کے پیروکار

(حضرت) عیسیٰ بن مریم کے پیرو عموماً اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں اور افغانستان

کے غربی علاقے میں پھیلی ہوئی اُن متعدد بستیوں میں آباد ہیں جن کا مرکز ہرات ہے۔
مَیں نے اُن کی نسبت کئی بار سُنا تھا لیکن مَیں سمجھتا تھا کہ شاید یہ مشرقی ایران کے وہ
لوگ ہیں جنہیں یورپی مشنریوں نے عیسائی بنا لیا تھا یا وہ اُس زمانے کی یادگار ہیں
جب ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں، ایران پر عربوں کے تسلط سے قبل، ہرات
نسطوری سلطنت کا حصّہ ہُوا کرتا تھا۔

لیکن اُن کے اپنے بیان کے مطابق ملکہ مَیں خود بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ
کسی اَور زیادہ قدیم قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

مجھے ان کا علم میر آف گزرگا کے ایک کارندے کے ذریعہ ہُوا۔ میر (حضرت)
محمدؐ کی اولاد میں سے ہے اور یہ لوگ اسی کی زیرِ حفاظت رہتے ہیں۔

گزرگا ایک خانقاہ ہے جہاں ایک مقامی صوفی بزرگ (حضرت) عبداللہ
انصار کا نہایت شاندار مزار واقع ہے اور جو ہندوستان کے کئی بادشاہوں اور
معززین کی زیارت گاہ رہا ہے۔ ان عیسائیوں کی تعداد ضرور ایک ہزار تک
ہوگی۔ اُن کے سردار کا نام ابا یحییٰ ہے جو عیسیٰ بن مریم ناصری کشمیری تک اپنے رہبروں
کی گزشتہ ۶۰ پشتوں تک کے نام گنوا سکتا ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک (حضرت) یسوع مسیح صلیب سے زندہ اُتر آئے تھے اور اپنے حواریوں کی مدد سے پوشیدہ طور پر ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ اُن دنوں آپ جوان ہی تھے۔ **آپ کشمیر میں ہی** آباد ہوگئے جہاں انہیں یوز آصف کے نام سے ایک قدیم بزرگ شخصیت
کے طور پر نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن لوگوں
کا دعویٰ ہے کہ انہیں (حضرت) یسوع مسیح کی مفروضہ زندگی کے اسی دَور
میں اُن کا پیغام پہنچا تھا۔

حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب "تذکرۃ الشہادتین" مطبوعہ ۱۹۰۳ء میں ہی اپنے خدا سے خبر پاکر یہ دعویٰ فرمایا تھا کہ :-

"یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اَب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسٰےؑ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسٰےؑ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسٰےؑ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسٰی کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے" (صفحہ ۶۷)

ہفتم۔ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ عالمی امن، عالمی صلح اور عالمی اتحاد کے پیامبر کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ آپ نے صدائے ربّانی بن کر یہ اعلانِ عام فرمایا کہ "ہماری طرف سے امان اور صلحکاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے"

(اشتہار مشمولہ "خطبہ الہامیہ" صفحہ ذ۔ مطبوعہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) حضور نے اپنے وصال سے قبل جو آخری کتاب لکھی اس کا نام ہی "پیغام صلح" تجویز فرمایا اور اس کی ابتداء میں امن عالم کے بنیادی اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"وہ دین دین نہیں ہے جس میں عام ہمدردی کی تعلیم نہ ہو اور نہ وہ انسان انسان ہے جس میں ہمدردی کا مادہ نہ ہو۔ ہمارے خدا نے کسی قوم سے فرق نہیں کیا مثلاً جو جو انسانی طاقتیں اور قوتیں آریہ ورت کی قدیم قوم کو دی گئی ہیں وہی تمام قوتیں عربوں اور فارسیوں اور شامیوں اور چینیوں اور جاپانیوں اور یورپ اور امریکہ کی قوموں کو بھی عطا کی گئی ہیں۔ سب کے لئے خدا کی زمین فرش کا کام دیتی ہے اور سب کے لئے اُس کا سورج اور چاند اور کئی اور ستارے روشن چراغ کا کام دے رہے ہیں اور دوسری خدمات بھی بجالاتے ہیں۔ اُس کی پیدا کردہ عناصر یعنی ہوا اور پانی اور آگ اور خاک اور ایسا ہی اُسکی دوسری تمام پیدا کردہ چیزوں اناج اور پھل اور دوا وغیرہ سے تمام قومیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ پس یہ اخلاق ربانی ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہم بھی اپنے بنی نوع انسانوں سے مروت اور سلوک کے ساتھ پیش آویں اور تنگ دل اور تنگ ظرف نہ بنیں۔" (صفحہ ۲ طبع اول جون ۱۹۰۸ء مطبوعہ نولکشور پریس لاہور)

نیز فرمایا:۔

"خدا کا فیض عام ہے جو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام زمینوں پر محیط ہو رہا ہے ..... پس جبکہ ہمارے خدا کے یہ

اخلاق ہیں تو ہمیں مناسب ہے کہ ہم بھی اُنہیں اخلاق کی پیروی کریں۔ ...... یہ راقم آپ کو صلح کے لئے بُلاتا ہے ...... دنیا پر طرح طرح کے ابتلاء نازل ہو رہے ہیں۔ زلزلے آرہے ہیں۔ قحط پڑ رہا ہے اور طاعون نے بھی ابھی پیچھا نہیں چھوڑا اور جو کچھ خدا نے مجھے خبر دی ہے وہ بھی یہی ہے کہ اگر دنیا اپنی بدعملی سے باز نہیں آئے گی اور بُرے کاموں سے توبہ نہیں کرے گی تو دنیا پر سخت بلائیں آئیں گی اور ایک بلا ابھی بس نہیں کرے گی کہ دوسری بلا ظاہر ہو جائے گی"۔ ([1])

قبل ازیں آپ نے "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۲۵۶-۲۵۷ میں اقوامِ عالم کو زبردست انذار کرتے ہوئے فرمایا:-

"اے یورپ تُو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تُو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کیے گئے اور وہ چُپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دُور نہیں۔ مَیں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے"۔

افسوس صد افسوس! دنیا نے صلح کے شہزادہ کی آواز کو ٹھکرا دیا جس کا خمیازہ وہ اسی سال سے بھگت رہی ہے۔ تاہم دو ہولناک جنگوں کے تلخ نتائج اور

خوفناک مصائب و آلام سے دوچار ہونے کے بعد اب وہ صلح اور اتحاد کی شاہراہ پر گامزن ہونے کی طرف مائل ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اور یہ پُراسرار بات ہے کہ احمدیت کی دوسری صدی کے آغاز کے ساتھ ہی اقوام عالم میں انقلابات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور برلن کی آہنی دیوار کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا ہے اور نہ صرف مشرقی اور مغربی جرمنی بلکہ پورے یورپ کے متحد ہونے کی راہیں کھُل گئی ہیں اور کمیونزم جس کا سارا فلسفہ تشدّد، دہشت اور بربریت پر قائم تھا حالاتِ حاضرہ کے سامنے گھٹنے ٹیک رہا ہے جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فروری ۱۹۴۵ء کو لاہور میں ایک معرکہ آرا لیکچر کے دوران فرمایا تھا :۔

"اِس وقت کمیونزم کی کامیابی محض زار کے مظالم کی وجہ سے ہے۔ جب پچاس ساٹھ سال کا عرصہ گزر گیا، جب زار کے ظلموں کی یاد دلوں سے مٹ گئی تب ہم سمجھیں گے کہ کمیونزم واقعہ میں ماں کی محبت اور باپ کے پیار اور بہن کی ہمدردی کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن دنیا یاد رکھے یہ محبتیں کبھی کچلی نہیں جا سکتیں ..... وقت آئے گا کہ انسان اس مشینری کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا اور اس نظام کو اپنے لیئے قائم کرے گا جس میں عائلی جذبات کو اپنی پوری شان کے ساتھ برقرار رکھا جائے گا"

(اقتصادی نظام صفحہ ۸۵ طبع اوّل۔ اگست ۱۹۴۵ء قادیان)

پھر روس کے آہنی پردہ اور اس میں داخلے کی ناروا پابندیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوٹوک لفظوں میں یہ آسمانی خبر دی :۔

"آخر یہ کولڈ سٹوریج رکھنے کا معاملہ کب تک چلے گا۔ ایک دن

یہ دیوار ٹوٹے گی اور دنیا ایک زبردست تغیّر دیکھے گی۔" (صفحہ ۱۰۰)

روسی صدر میخائل گورباچوف "تشکیلِ نَو" میں لکھتے ہیں:۔

"ہمیں ایسی دُنیا چاہیئے جس میں جنگ نہ ہو، ہتھیاروں کی دَوڑ نہ ہو۔ ایٹمی ہتھیار نہ ہوں۔ ظلم و تشدّد نہ ہو۔ محض اس لیے نہیں کہ ہمیں اپنی قومی ترقی کے لیئے اِن حالات کی ضرورت ہے بلکہ اس لیئے کہ معروضی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سب باتیں پُورے کرۂ ارض کے لیئے ضروری ہیں۔ ہماری نئی سوچ اس سے بھی ایک قدم آگے جاتی ہے۔ آج دنیا نہ صرف ایٹمی تباہی کے خطرے کے سائے میں جی رہی ہے بلکہ ہمیں بہت سے اہم مگر لاینحل سماجی مسائل کا بھی سامنا ہے۔ سائنسی اور ٹیکنیکی ترقی سے پیدا ہونے والے کھچاؤ کا بھی تدارک کرنا ہے۔ اور عالمی مسائل سے پیدا ہونے والی بدمزگی کو بھی دُور کرنا ہے۔ آج عالمِ انسانیت کو ایسے مسائل درپیش ہیں جیسے پہلے کبھی نہ تھے۔ اور اگر ہم سب مِل جُل کر ان مسائل کا متفقہ حل نہیں تلاش کرتے تو ہمارا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔ آج تمام ملک کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ہتھیاروں کا ڈھیر خاص طور سے ایٹمی میزائیلوں کے ذخیرے عالمی جنگ کی ابتدا کو ممکن بنا سکتے ہیں خواہ اس کا کوئی جواز ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ حادثاتی طور پر اچانک چھڑ جائے خواہ اس کا سبب ٹیکنیکی غلطی ہو یا انسانی غلطی۔ مگر ایسی ایٹمی جنگ سے روئے زمین پر ساری مخلوقات تباہی کے مُنہ میں چلی

جائے گی۔

سب لوگ متفق ہیں کہ ایسی ایٹمی جنگ میں نہ کوئی جیتنے والا بچے گا نہ ہارنے والا رہے گا۔ کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ خطرہ جان لیوا ہے۔ اور پوری انسانیت کے لیئے ہے "

("تشکیلِ نو" صفحہ ۱۵۔ ناشر ترجمہ پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور)

الغرض نقشۂ عالم حیرت انگیز طور پر بدل رہا ہے جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امن کے شہزادہ کی عالمگیر دعوتِ امن و صلح ہرگز بے اثر اور رائیگاں نہیں جا سکتی اور جلد یا بدیر دنیا کے مذہبی و سیاسی راہ نما، مفکر و ادیب اور سائنسدان یقیناً اس طرف پوری توجہ دیں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جبکہ جہانِ نو کی تعمیر ہو گی اور حضرت اقدس کا یہ الہام ہر اعتبار سے اور پوری شان و شوکت کے ساتھ عملی شکل اختیار کرے گا کہ :-

"یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ یعنی زمین کے باشندوں کے خیالات اور رائیں بدلائی جائیں گی "

(الہام ۱۸ مارچ ۱۸۹۳ء۔ تذکرہ صفحہ ۲۳۲ طبع سوم ۱۹۶۹ء)

ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّل) نے حضور کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ "حضور تو اسلام کی اشاعت یورپ اور امریکہ میں کرنا چاہتے ہیں اور وہاں کے لوگ مذہب کے نام سے متنفر ہو رہے ہیں" فرمایا اچھا ہے تختی صاف ہو رہی ہے نقش اچھا جمے گا۔" (مجدد اعظم جلد سوم صفحہ ۱۷۔ از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مطبوعہ لاہور۔ جنوری ۱۹۴۴ء)

حضرت مسیح موعود کی نظر میں آراء کی تبدیلی کا تصور کیا تھا؟ اسکی ایک جھلک ہمیں ۹۸-۱۸۹۷ء کے ایک عجیب واقعہ میں ملتی ہے۔ حضرت مفتی

مفتی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ :۔

''ایک دفعہ میں لاہور سے قادیان آیا ہوا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حضور کے اندر کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ باہر سے ایک لڑکا پیغام لایا کہ قاضی آل محمد صاحب آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک نہایت ضروری پیغام لایا ہوں۔ حضور خود سُن لیں۔ حضور نے مجھے بھیجا کہ ان سے دریافت کرو کیا بات ہے۔ قاضی صاحب سیڑھیوں میں کھڑے تھے۔ میں نے جا کر دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے بھیجا ہے کہ ایک نہایت عظیم الشان خوشخبری ہے اور خود حضرت صاحب کو ہی سُنانی ہے۔ میں نے پھر جا کر عرض کیا کہ وہ ایک عظیم الشان خوشخبری لائے ہیں اور صرف حضور کو ہی سُنانا چاہتے ہیں حضور نے فرمایا آپ پھر جائیں اور انہیں سمجھائیں کہ اس وقت مجھے فرصت نہیں وہ آپ کو ہی سمجھا دیں اور آپ آکر مجھے سُنا دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور قاضی آل محمد صاحب کو سمجھایا کہ وہ خوشخبری مجھے سُنا دیں میں حضرت صاحب کو سُنا دیتا ہوں۔ تب قاضی صاحب نے ذکر کیا کہ ایک مولوی کا مباحثہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کے ساتھ تھا اور اس مولوی کو خوب پچھاڑا اور لتاڑا گیا اور شکستِ فاش دی۔ میں نے آکر یہ خبر حضرت صاحب کے حضور عرض کی۔ حضور نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا میں نے سمجھا یہ خبر لائے ہیں کہ یورپ مسلمان ہو گیا ہے۔'' (ذکرِ حبیب صفحہ ۵۲-۵۳ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب)

حضرت اقدس نے ایک بار فرمایا :-

"میں اپنی جماعت کو رشیا کے علاقہ میں ریت کی مانند دیکھتا ہوں۔"

(تذکرہ طبع سوم صفحہ ۸۱۳ - الناشر: الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

بہر کیف افکار و خیالات کے **عالمی انقلاب** کے بعد حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود کے جدید علم کلام کی اصل غرض و غایت پوری ہو جائے گی یعنی توحید اور رسالت محمدیؐ کی فتح ہو گی اور باطل ازموں اور جھوٹے مذہبوں کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت اقدس نہایت پُر قوت و شوکت الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا۔ ..... قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے۔ بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب

یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

("الاشتہار مستیقناً بوحی اللّٰہ القہّار"

۲۰ر شعبان ۱۳۱۴ھ / ۱۵ر جنوری ۱۸۹۷ء)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

تَمَّتْ بِالْخَیْر
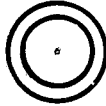
(ضمیمہ ۱)

اکنافِ عالم میں احمدیت کا چرچا

ایک معزز غیر احمدی سیّاح

خان بہادر شیر جنگ صاحب آفیسر سروے آف انڈیا

کے قلم سے

نہایت رُوح پرور چشمدید واقعات

۱۹۰۰ تا ۱۹۲۳ء

(منقولہ "الفضل" ۱۸ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-۱۰)

ایران کا سفر

"جب ۱۹۰۰ء میں مَیں ایران گیا اور وہاں ۱۹۰۲ء تک رہا۔ بوشہر، بندر عباس، لنگہ، میناب، رہبر، آرزو، کرمان، شمبلات، احمدی نیرو ابرقو، شیراز، تبریز وغیرہ شہروں اور قصبوں میں میرا گزر ہوا۔ اس سفر میں شیعہ مذہب کے علاوہ بابی مذہب والوں سے بھی ملا۔ مگر یہ لوگ اپنے مذہب کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ سنّت و الجماعت کے اصحاب سے بھی ملا مگر اس وقت احمدی جماعت کی نسبت مَیں نے کچھ نہ سُنا اور نہ ہی مجھ سے کسی نے کچھ دریافت کیا اور نہ ہی مَیں جانتا تھا کہ احمدی بھی کوئی جماعت ہے۔ اب مَیں جانتا ہوں مگر مَیں احمدی نہیں ہوں۔ مذہب باب کے متعلق بہت مبالغہ آمیز قصے سُناتے رہے۔ افسوس ہے بعد میں مجھے ایک بابی درویش تونگر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ قرآن شریف کے منکر ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ کافر ہیں بلکہ خاص کافر ہیں۔ ایران کے اہلِ تشیّع بھی مسلمان ہیں۔ مگر اسلام سے اتنے دُور کہ جیسے دنیا کے بہت مسلمان اسلام کے اصولوں سے بالکل بے خبر۔

ابی سینیا کا سفر

۱۹۰۲ء میں میرا جانا ابی سینیا ملک حبش کو ہوا۔ اس سفر میں شاہ ملینک کو دیکھا۔ آدھ گھنٹے تک مَیں اُن کے تخت کے پاس کھڑا رہا۔ اس وقت مَیں جوان تھا اور مَیں نے زرّیں لُنگی سر پر باندھی ہوئی تھی۔ کمر میں ریشمی صافہ تھا اور کرچ آویزاں تھی۔ شاہ ملینک بار بار میری طرف دیکھتا تھا اور سر ارگنفی سفیر ابی سینیا سے میری بابت دریافت کرتا تھا کہ اس کا کیا نام ہے۔ کس ملک کا رہنے والا ہے۔ اس وقت ملینک کی گود میں چھوٹا سا کُتّا تھا اور ننگے سر تخت پر بیٹھا تھا۔

یہ لوگ پُرانے عیسائی مذہب کے ہیں۔ حبش میں مسلمان بھی ہیں مگر مذہب سے بے خبر۔
باقی افریقہ کے لوگ اکثر لامذہب ہیں۔ اس کے بعد ہمارا سفر جنگلیوں میں رہا۔
جو اکثر ننگے رہتے تھے۔ جب ہم جنگلی قطعے پر پہنچے تو وہاں کے سردار کا بھائی شاہ
ملینک کے حکم سے ہم لوگوں کی مدد کے واسطے آیا۔ بہت دن ہمارے ہمراہ رہا۔
یہ ہمیشہ میرے پاس آکر کہا کرتا تھا کاش میرے بادشاہ کے ہاں تمہارے جیسے ہوتے۔
یہ بھی لامذہب تھا۔ میں نے اس کو بذریعہ ترجمان کہا کہ سردار کلنگلہ تم لوگ کیوں ایک
مذہب اختیار نہیں کرتے۔ اس نے کہا ہمارے بزرگوں سے یہ بات چلی آتی
ہے کہ ہمارا پیشوا بہت خوبصورت تھا اُس نے ہم لوگوں کو ایک کتاب دی تھی
مگر اُس کو ایک گائے کھا گئی۔ اُس دن سے ہمارا دستور ہے کہ جب دوسرے
کو گائے دیتے ہیں تو اُسے یہ تاکید کر دیتے ہیں کہ جب اس کو مارو یا مرے تو اُس
کا شکم ضرور چاک کر کے دیکھ لینا اور کتاب کو تلاش کرنا مگر ابھی تک ہمیں یہ کتاب
نہیں ملی۔ لیکن ہمارے پیشوا نے ہمارے بزرگوں کو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر تم سے
کتاب گم ہو جاوے اور تم کو نہ ملے تو ہراساں نہ ہونا اور شمال مشرق کی طرف سردار
نے ہاتھ اٹھایا اور کہا کہ ہمارے پیشوا نے ہمارے بزرگوں کو بتایا تھا کہ اس طرف
ایک شہر قودی جو بہت دُور ہے وہاں ایک آدمی آئے گا اور یہ کتاب
وہاں ہی مل سکے گی۔ وہاں سے شمال مشرق میں ہندوستان ہے۔ میں
نے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور قودی شہر کو تلاش کرو اور وہاں سے کتاب لے
آؤ۔ اس نے کہا کہ ہمارے بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ قودی بہت دُور
جگہ ہے اور راستے میں سمندر ہے ہم وہاں تک پہنچ نہیں سکتے۔ وہاں کے ہادی کے
آدمی کسی زمانے میں خود ہمارے تک آئیں گے اور سب پتہ بتائیں گے۔ پھر اُس
نے کہا کہ نہ معلوم اس وقت تک میں زندہ بھی ہوں گا یا نہیں جب اس ہادی کے

آدمی کتاب لے کر آئیں گے۔ اور اُس نے کہا کہ کاش مَیں اُس وقت تک زندہ رہوں۔ بعد میں مجھے خیال ہؤا کہ غالباً قودی سے مرادِ قادیان ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تبّت کا سفر

۱۹۰۳ء کے اخیر اور ۱۹۰۴ء تک میرا سفر تبت میں تھا۔ گیانسی یا رہی جنگ لہاسہ شہروں میں پھرا۔ یہاں مسلمان بہت کم ہیں۔ زیادہ آبادی بُدھ مت والوں کی ہے اور بُت پرست بھی بہت ہیں۔ لہاسہ شہر میں مسلمان بھی ملے جنہوں نے بہت اظہارِ محبّت کیا۔ اور یہ لوگ تاجر تھے اور ان کی تجارت چین اور کشمیر سے ہے اور چینی مسلمان بھی ہم سے ملے۔ ایک روز انہوں نے ہم سے حضرت مرزا احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بھی دریافت کیا۔ مَیں نے کہا مَیں نہیں جانتا کہ ان کا کیا مذہب ہے۔ ہمارے علماء تو اُن کو گالیاں دیتے ہیں اور کافر کہتے ہیں۔ ایک چینی کپتان نے بار بار حضرت مرزا احمد رحمۃ اللہ کی عمر، علم، خاندان اور دعوے کے متعلق دریافت کیا مگر مَیں نے اور بھی بدمزاجی سے جواب دیا کہ کیوں بار بار ان کا ذکر کرتے ہو۔ وہ امام مہدی اور عیسیٰ ہونے کے دعویدار ہیں۔ یہ کپتان بہت ہنسا اور کہنے لگا کہ شیر جنگ مَیں جانتا تھا کہ آپ بہت عقلمند اور جہاندیدہ آدمی ہیں لیکن اب معلوم ہؤا کہ آپ بھی مرضِ تعصّب میں مبتلا ہیں۔ کیا آپ میرے اِس سوال کا جواب دیں گے کہ امام مہدی جب آوے گا تو انسان ہوگا اور انسانی صورت رکھتا ہوگا یا صورتِ دیگر۔ بات تو دعویدار کے دعویٰ کی ہے میں کچھ ناراض سا ہو گیا لیکن چینی کپتان نے اظہارِ محبّت سے مجھے راضی کر لیا۔ اور یہ سلسلۂ گفتگو ختم ہؤا۔

خلیج کا سفر

۱۹۰۴ء کے اخیر اور ۱۹۰۵ء میں میرا سفر خلیج، عراق، مسقط، اور عمان اور کچھ حصہ نجد کی طرف رہا۔ پہلے جہاز سے ہم بوشہر اُترے۔ اس کے بعد ہم کویت گئے۔ اس جگہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جس کو خارجی کہتے ہیں۔ یہ فرقہ نجد کی طرف رہتا ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی وہابی ہیں جو کم و بیش ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ کویت سے ہم بحرین میں آئے اور بحرین سے مسقط۔ مسقط میں سلطان مسقط نے مجھے اجازت دی کہ میں اندرونِ ملک عمان کی سیر کروں۔ مسقط سے مجھے شہر متھرا میں بھیجا اور ایک خط سلطان مسقط نے دیا اور کہا کہ وہاں میرا بھائی ہے وہ وہاں کا والی ہے وہ تمہارا بندوبست کردے گا اُس سے ملنا۔ ایک فراش جس کا نام عزیز تھا مجھے قونصل خانے کی طرف سے بغرض ترجمانی ملا۔ متھرا میں پہنچ کر عزیز مجھے ایک مکان میں لے گیا۔ اس میں بہت سے عرب بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ہم مکان میں داخل ہوئے تو سب کے سب تعظیم کے لیئے کھڑے ہو گئے۔ ان میں سب قسم کے لوگ تھے۔ شائستہ اور نیم شائستہ بدو وغیرہ۔ بہت دیر تک اُن کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی۔ اور میرا خیال تھا کہ والی بہت شان و شوکت کے ساتھ آئے گا۔ شاید اُس کا بنگلہ اَور ہوگا۔ عزیز سے میں نے فارسی میں دریافت کیا کہ والی کب آئے گا۔ اُس وقت میرے اور عزیز کے درمیان جو نورانی شکل کا آدمی بیٹھا تھا اُس نے عزیز کو مخاطب کیا اور جلدی جلدی اُن میں سوال و جواب ہوتے رہے۔ آخر میں اُس نے عزیز سے کہا کہ شیر جنگ سے کہو کہ والی میں ہی ہوں۔ عزیز نے مجھے کہا۔ اور اس کے بعد وہ والی آب دیدہ ہوا اور اُس نے ایک تقریر شروع کی جس کے معنی تو میں نہیں جانتا تھا لیکن

اُس کی آواز دل پر اثر کرتی گئی۔ خیر میں نے عزیز سے کہا کہ مجھے تمام تقریر وہ فارسی میں سُنا دے۔ اُس نے مجھ سے بیان کیا اور اس کی باتوں کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ اب تک جب مجھے خیال آجاتا ہے تو میرا جسم کانپ اُٹھتا ہے۔ اُس میں اُس نے بتایا کہ اگر میں والی بن گیا ہوں تو مجھے خدا سے بھی ڈرتے رہنا چاہیئے فرعون بے سامان کی طرح نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اسی لیئے میں اس سادی حالت میں رہتا ہوں۔ پھر اس نے میری روانگی کا انتظام کیا اور میں اندرونِ عمّان کی طرف روانہ ہوا۔ پہلے درابی قوم میں سے گزرا۔ پھر ہمارا قافلہ وادی اسمٰعیل میں پہنچا۔ ایک جگہ بہت جذامی آدمی دیکھے۔ عمّان میں یہ وادی مشہور ہے اس کے مرکبات بہت دُور دُور تک جاتے ہیں اور خشک نہیں ہوتے۔ یہاں کے انار بھی مشہور ہیں۔ یہاں کے لوگ لالچی ہیں اور ہمارا قافلہ لُوٹنا چاہتے تھے اس لیئے میں نے واپس مسقط کا ارادہ کیا اور قوم درابی میں پہنچا۔ اس دن راستے میں ہم پر گولیاں بھی چلائی گئیں لیکن خدا کے فضل سے نقصان نہ ہوا جنہوں نے گولیاں چلائی تھیں میں خود اُنکے گاؤں میں گیا۔ اُن کو ملامت کی اور والی سے ڈرایا۔ پھر یہ لوگ شام کو مجھے ملنے آئے اور دستور کے مطابق اپنی خنجروں کو میرے سامنے رکھ دیا۔ یعنی وہ صلح چاہتے تھے۔ میں نے خنجروں کو ہاتھ لگا دیا اور اس طرح صلح ہو گئی۔ یہاں میں کئی دن رہا۔ اور یہ لوگ بازی گری تماشہ اور چاند ماری کرتے تھے۔

ایک عرب سے حضرت مرزا صاحب کا تذکرہ

ایک دن ایک نورانی شکل کا شخص میرے پاس بیٹھ گیا اور ترجمان کے ذریعے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ افغانستان کا رہنے والا ہوں۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا رسالہ تھا۔ اس نے کہا

کہ تم نے مرزا احمد کو دیکھا ہے؟ اور وہ تم سے کتنا دُور رہتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ مَیں نے نہیں دیکھا۔ وہ تو مجھ سے بہت دُور رہتے ہیں۔ پھر اُس نے کہا میں عربی کا عالم ہوں لیکن جیسی کلام اس رسالے میں مرزا احمد نے لکھی ہے وہ کسی انسان کی طاقت میں نہیں کہ لکھے۔ بلکہ خدا کی طرف سے خاص مدد اور نصرت سے لکھی گئی ہے۔ مَیں نے عرب کے بڑے بڑے عالموں کا کلام پڑھا ہے لیکن ایسا کلام اور ایسی تاثیر نہیں دیکھی۔ افسوس ہے میرے پاس نہ اتنی دولت ہے اور نہ ہندی زبان سے آشنا ہوں اور میری ضعیف والدہ بھی مجھے جانے کی اجازت نہ دے گی ورنہ میں ضرور مرزا احمد (فداہ امّی و ابی) کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ارادہ ہے کہ اُن کی زیارت کروں۔ پھر تمام لوگوں نے اُس سے مرزا احمد کی بابت گفتگو شروع کردی اور بہت دیر تک وہ عربی میں گفتگو کرتے رہے جس کو مَیں سمجھ نہیں سکتا تھا۔ یہ علاقے بہت خوفناک ہیں لیکن اگر احمدی جماعت کے عربی رسالے وہاں تقسیم ہوں تو بہت بہتر ہوگا۔ افسوس ہے کہ عرب میں عربی کے عالم کم ہیں۔

ایران میں احمدیّت کا ذکر

۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء میں مَیں پھر ایران گیا۔ بندر عباس، سیستان، کرمان، شہر بابک، شیراز، بوشہر کا سفر کیا۔ اس سفر میں شیراز کے لوگوں نے بہت احمدی جماعت کی نسبت دریافت کیا مگر افسوس ہے کہ مَیں اس جماعت سے واقف نہیں تھا اس لیئے پورا پورا جواب نہ دے سکا۔

شملہ کے احمدیوں سے ملاقات

۱۹۰۷ء کے اخیر میں مجھے شملہ جانے کا حکم ملا۔ میں نے وہاں کے جنگی دفتر میں جانا تھا۔ اور ریل پر سے اُتر کر میں نے اپنا اسباب کمپنی کی سرائے میں رکھا۔ اور خود دفتر میں گیا۔ چپڑاسیوں سے دریافت کیا کہ یہاں صرف گورے ہی ہیں یا دیسی بھی۔ ایک نے کہا کہ یہاں ایک مولوی خدا بخش ہیں میں اُن سے ملا بہت محبت سے پیش آئے اور خود بخود ہی کہنے لگے۔ شیر جنگ تم اچھے ہو؟ حالانکہ میں نے ابھی اپنا نام نہیں بتلایا تھا۔ مجھے حیرانی ہوئی۔ یہ خزانچی تھے میں نے پوچھا آپ نے کس طرح پہچان لیا؟ کہنے لگے بعد میں بتلاؤں گا۔ میرا خیال تھا کہ دفتر سے دریافت کر لیا ہوگا۔ نہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ میرے آنے کی خبر صرف کمپنی کو تھی اور اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعے میری شکل دکھائی تھی۔ اور اس نے میرے آنے سے قبل ہی اپنے چند دوستوں کو میرا حلیہ بتلا دیا تھا۔ پھر وہ مجھے اپنی جگہ لے گئے۔ اُس جگہ شام کو دس بارہ آدمی آئے۔ سب نے کھانا کھایا اور نماز ادا کی۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ جب تک آپ کا انتظام نہ ہو سکے ہمارے ساتھ ہی رہیں۔ سب سے مجھے محبّت ہو گئی۔ سب نماز پڑھتے۔ صبح کو تلاوتِ قرآن کریم کرتے۔ بعض امیر اور بعض غریب تھے لیکن سب میں مساواتِ اسلامی پائی جاتی تھی۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ احمدی ہیں۔ ایک دن بالائی بازار میں مجھے چند مسلمان ملے اور چائے وغیرہ سے تواضع کی اور مجھے کہنے لگے کہ جن کے ساتھ تم رہتے ہو اور کھاتے پیتے ہو وہ تو مرزائی بے ایمان ہیں (نعوذ باللہ) اُن کے پاس سے چلے آئیے۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ مسلمان نہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے کہا اگر یہ لوگ کافر ہیں تو میں ایسے کافروں کو ہی پسند کروں گا اور تم سے

اچھا سمجھوں گا۔ اور اُس دن سے میری محبت زیادہ بڑھ گئی۔

افغانستان میں احمدیّت

۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء میں وادی کورم افغانستان میں میرا سفر ہُوا۔ اور ایک روز مَیں پیاواڑ کوتل جو شلاف زان سے اُوپر پہاڑوں میں ہے اس کے جنوب کی جانب افغانستان کی سرحد کے پاس قوم منگل کے ایک گاؤں کے قریب خیمہ زن ہُوا۔ رات کو ایک منگل وحشی میرے پاس آیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ تم احمدی ہو یا نہیں۔ مَیں نے خیال کیا کہیں یہ احمدی سمجھ کر مار نہ دے اس لیئے مَیں نے کہا کہ نہیں۔ تو اُس نے کہا ڈرو نہیں مَیں اور میرے گاؤں کے اکثر لوگ احمدی ہیں لیکن ہم میں سے ابھی کئی لوگ نماز تک نہیں جانتے اور اگر کوئی اذان کہے تو ہم ڈرتے ہیں کہ ہماری بکریوں میں بیماری نہ پیدا ہو جاوے۔ مَیں نے اس سے دریافت کیا کہ تم کیسے احمدی ہوئے؟ اُس نے ایک سیّد کا نام لیا جس کو سنگسار کیا گیا تھا۔ اور اُس نے کہا کہ اُنہوں نے تبلیغ کی تھی اس لیئے ہم احمدی ہو گئے تھے۔ نہ معلوم اُنہوں نے سیّد کا نام کیا بتلایا، شاید لطیف یا ایسا ہی کچھ اور نام تھا[ل]۔ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں ہم ابور کی لڑائی میں شریک ہوئے اور یہ قوم بھی جنگلی اور وحشی ہے۔

ایران کا تیسرا سفر

۱۹۱۳ء - ۱۹۱۴ء - ۱۹۱۵ء میں پہلے ہم ایران گئے۔ شہر محاصرہ پہنچے۔ اس کے بعد پشتکوہ۔ اس کے بعد سندرس۔ اس کے بعد فاتقین، کلف جاہ، پنجویں، وزنہ

ل شہیدِ کابل حضرت شہزادہ عبد اللطیف جنہوں نے ۱۴؍ جولائی ۱۹۰۳ء کو جام شہادت نوش کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (ناقل)

لاٹیجان، ارومیہ۔ اس کے بعد کوہ قاف۔ جنوبی دروں کو عبور کر کے اغری داغ مشہور پہاڑ تک پہنچے۔ اس اثناء میں مجھے شہر بایزید جانے کا موقعہ ملا۔ اس دوران میں جب کبھی کسی قسم کی دینی گفتگو عربوں، ایرانیوں یا ترکوں سے ہوئی تو احمدی جماعت کا اکثر ذکر آتا رہا۔ اور لوگ مجھ سے دریافت کرتے رہے لیکن اس وقت تک بھی مَیں احمدی جماعت کے اصولوں سے اچھی طرح واقف نہ تھا اس لیے ان لوگوں کو مفصّل حالات احمدی جماعت کے نہیں بتلا سکا۔ بایزید شہر میں جب مَیں پہنچا تو میرے ترک آفیسر سب فوجی کاروبار میں مصروف تھے اس لئے ایرانی کونسل میں مقیم ہوا۔ ترک دن رات لڑائی کا سامان تقسیم کرنے میں مشغول تھے اور جنگ میں شامل ہونے والے تھے۔ کونسل کی جگہ پر پہلے مجھے شہر کا قائم مقام آ کر ملا۔ یہ شخص فارسی بول سکتا تھا مجھ سے لڑائی کی گفتگو کرتا رہا اور پھر اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت دریافت کی کہ ہندوستانی ترکوں کی طرف ہوں گے یا انگریزوں کی طرف۔ مَیں نے کہا کہ ہندوستان سے ایسی امید نہ رکھو کہ وہ انگریزوں کے خلاف ہو کر لڑیں گے۔ اس کے بعد قاضی شہر سے ملاقات ہوئی۔ مَیں نے اس سے کہا کہ قاضی صاحب آپ سنّی حنفی ہیں پھر آپ لبوں کے بال کیوں نہیں کترواتے؟ وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ اہلِ افغانستان اسلام کے پابند معلوم ہوتے ہیں۔ پھر مذہبی گفتگو شروع ہوئی اور ہندوستان کی مذہبی حالت اس نے دریافت کی۔ اس کے بعد اس نے حضرت مرزا احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دعوے کی نسبت دریافت کیا۔ مَیں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اس کے پیرو شریعت کے پابند ہیں یا نہیں؟ اور نماز کیسی ہے۔ مَیں نے کہا کہ وہ شریعت کے پابند ہیں۔ ہماری طرح ہی نماز پڑھتے ہیں صرف ہاتھ ناف پر نہیں باندھتے۔ اُس نے کہا کہ تم لوگ کیوں ان کو کافر کہتے ہو؟ مَیں نے کہا صرف جاہل ملّا نے ایسا کہتے ہیں۔

پھر اُس نے مجھ سے حضرت مرزا صاحب کی کتاب مانگی۔ لیکن مَیں نہیں دے سکتا تھا آخر اُس نے کہا کہ جب دوبارہ آؤ تو میرے لیئے ضرور اُن کی کتابیں لانا جو عربی اور فارسی میں ہوں۔ بایزید سے واپس ہوکر بازرگان نام گاؤں میں پہنچا۔ بایزید شہر ایک بلند پہاڑ کے غربی دامن میں واقع ہے۔ بازرگان میں چند ماہ رہ کر مجھے واپسی کا اختیار دیا گیا اور ایک بڑا قافلہ میرے ماتحت کیا گیا۔ ترکوں سے جنگ شروع ہو چکی تھی۔ لیکن مَیں نے مناسب سمجھا کہ ترک دوستوں سے بھی ملاقات کرتا جاؤں وہ بہت شرافت سے پیش آئے اور میری روانگی کے وقت آبدیدہ ہوئے۔ راستہ خطرناک ہو چکا تھا۔ مَیں ایرانی قونصل خانے میں گیا اور اُن سے راہ داری کا پروانہ حاصل کیا۔ تاکہ راستے میں کوئی دق نہ کر سکے۔ ایرانی سرحد پر پہنچے تو ماکو شہر میں روسی فوجوں کا اجتماع تھا۔ یہ وحشی بہت تکلیف دیتے تھے۔ مَیں روسی قونصل کے پاس گیا جو پہلے سے ہی ہمارا واقف تھا۔

ایک رُوسی کرنل کی گفتگو حضرت مرزا صاحب کے متعلق

اُس قونصل کے پاس ایک روسی کرنل بیٹھے تھے جو مسلمان تھے اور قفقاز کے رہنے والے تھے۔ کرنل نے مجھے ایک خط لکھ دیا کہ یہ انگریزوں کے آدمی ہیں اِن کو راستے میں تکلیف نہ دی جائے۔ مَیں وہاں سے رخصت ہوا واپسی کے وقت مَیں ماکو کے ملبے بازار سے ہوتا ہوا چلا۔ مجھے اُس وقت پھر دوبارہ وہی کرنل آکر ملا اور بذریعہ ترجمان گفتگو کرنے لگا اور میرے ساتھ کیمپ میں آگیا۔ بہت خلیق آدمی تھا۔ اثنائے گفتگو میں مَیں حیران رہ گیا جب اس نے یہ دریافت کیا کہ آپ لوگوں کو مرزا احمد سے بھی واقفیت ہے یا نہیں۔ اور وہ چاہتا تھا کہ اچھی طرح مفصّل حالات دریافت کرے۔ اُس کا خیال تھا کہ ہندوستان اور افغانستان

سب اُن کی جماعت میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ مَیں نے کہا کہ مجھے واقفیت نہیں ہے۔ اُس نے حیرانی ظاہر کی اور کہا کہ جس مُلک میں اسلام کا علمبردار ظاہر ہو اُس مُلک کا آدمی اگر اسلامی تعلیم سے واقفیت نہ رکھے تو تعجب ہے۔ مَیں نے کہا کہ تمہیں اُن کی نسبت کہاں سے علم ہوا؟ کہنے لگا کہ مَیں داغستان کا رہنے والا قفکازی ہوں۔ ہم لوگ یورپ میں تعلیم پاتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔ امریکہ کا ایک انگریزی زبان کا رسالہ ملا تھا۔ میرا ایک انگریز دوست تھا اس کے پاس یہ رسالہ تھا۔ اس کو مَیں نے روسی اور ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا جس کو مَیں بوجہ جنگ کے شائع نہ کر سکا۔ علاوہ ازیں ہمارے چند تاجر بخارا سے آئے اور انہوں نے مرزا احمد کی تعلیم سُنائی۔ اب ہم اپنے ملک میں تعلیم حاصل کر کے نیز اُن کی فکر میں تھے کہ نامراد جنگ شروع ہو گئی۔ اس کے بعد ہم تبریز پہنچے اور قونصل جنرل سے ملے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ مظفر بے سے بھی ملتے جاؤ۔ وہ میرا ماتحت ہے۔ اُس کے پاس جب گئے تو وہ خاطر تواضع سے پیش آیا اور اندر لے گیا۔

سردار کُردستان کی گفتگو حضرت مرزا صاحب کے متعلق

اندر ایک شخص بہت ہی حسین اور جوان بیٹھا تھا۔ مَیں اُسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ایسا خوبصورت آدمی مَیں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُس نے فارسی میں ہماری مزاج پرسی کی۔ اُن کا نام حضرت سیلاط پاشا تھا اور وہ تمام کردستان کے سردار مانے جاتے تھے۔ سلاط نے فراشی کو کہا سب باہر لے جاویں۔ صرف مَیں، حمید گُل صاحب جو میرے ہمراہ تھے، سیلاط اور مظفر بے رہ گئے۔ بات چیت شروع ہوئی۔ افغانستان کی نسبت انہوں نے

دریافت کیا تھا۔ اور جب ہندوستان کا ذکر آیا تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت مرزا احمد کی نسبت دریافت کیا اور احمدی جماعت کی نسبت گفتگو شروع کر دی۔ وہ احمدیت سے اتنے واقف تھے کہ مجھے تو پتہ بھی نہ تھا۔ پھر انہوں نے بعض سوالات کیئے لیکن میں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اور ان کا اتنا رعب مجھ پر طاری ہوا کہ میں ان سے یہ بھی نہ پوچھ سکا کہ حضرت احمد سے آپ کیوں محبّت رکھتے ہیں۔ دنیا میں سیلاط عجیب غریب انسان ہے۔ عربی زبان کا ماہر اور بہت ہی عقلمند آدمی ہے۔ وہ ہمیشہ اسیر ہی رہا۔ آٹھ برس کا تھا کہ ترکوں نے قید کیا۔ اسکے بعد اکثر قید میں رہا۔ اُس کی عمر اس وقت ۲۸ سال کی تھی۔ بڑی حسرت کے ساتھ میں اُس سے رخصت ہوا۔ دوسرے دن سُنا کہ روسیوں نے اُسے پھر قید کر دیا ہے اور ماسکو لے گئے۔

مختلف سفر

اس کے بعد بہت سے شہروں سے ہوتے ہوئے ۵ مہینے میں بوشہر آئے اور خوشی تھی کہ ہندوستان پہنچیں گے لیکن آتے ہی بصرے کا حکم ملا۔ قریب ایک ماہ وہاں رہے اس کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ چند روز بعد ہمند میں جانا پڑا۔ اس کے بعد بندر عباس جو ایران کا بندرگاہ ہے وہاں جانے کا حکم ملا۔ وہاں چند دن رہ پھر ہندوستان آکر پھر بغداد پہنچا۔ لڑائی ختم ہو چکی تھی۔

سیلاط سے دوبارہ ملاقات

چند دن کے بعد موصل جانے کا حکم ملا۔ وہاں سے ارومیہ جانے کا حکم ملا کہ وہاں جاکر سیلاط پاشا سے ملوں جو روسیوں کی اسیری سے رہا ہوکر ارومیہ پہنچ گیا تھا۔ پھر تو بہت ہی خوشی ہوئی۔ چونکہ اندرون ارومیہ ۹ منزل تھا۔ مگر بوجہ جنگ راستے ویران ہو چکے تھے۔ مَیں دس خچروں کا قافلہ لے کر ارومیہ روانہ ہُوا۔ تیسری منزل پر معلوم ہُوا کہ برفباری ہو چکی ہے اور راستہ بند تھا۔ لیکن مجھے سیلاط سے ملنے کا شوق تھا اس لیئے مَیں صرف اپنا ٹٹو لے کر روانہ ہو گیا اور خدا خدا کر کے گیارھویں دن وہاں پہنچا۔ وہاں کے گورنر سے ملے۔ اس نے مہمانداری کی لیکن میں نے کہا کہ مَیں سیلاط کا مہمان ہوں۔ انہوں نے کہا آج کل ان کا مقام چھ روز کے راستے پر شمال کی طرف ہے۔ مَیں نے کہا کہ اچھا مَیں آج اُن کے بنگلے میں ہی رہوں گا۔ مَیں نے ایک آدمی کو سیلاط کے پاس بھیجا اور وہ جلد ہی مجھے ملنے کے واسطے آگئے۔ اب اُن کا رنگ رُوپ بگڑا ہُوا تھا اور مَیں پہچان نہ سکا۔ آپ نے فرمایا مَیں سیلاط ہوں۔ پھر کیا تھا خوب ملے۔ رات بھر باتیں کرتے رہے۔ ایک ماہ مَیں اُن کے پاس رہا۔ بارہا احمدیت کا ذکر ہوتا رہا اور مجھے ملامت بھی کی کہ تم کوئی رسالہ نہیں لائے۔ مَیں نے کہا مجھے معلوم نہ تھا کہ مَیں نے پھر آپ سے ملنا ہے۔ ایک دن بڑے بڑے لوگ، قاضی دین، اُن کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ اس دَوران اُنہوں نے ایک تقریر فرمائی جو حضرت احمد کی تعریف میں تھی۔

مختلف شہروں کا سفر

اس کے بعد مَیں بغداد آیا اور امان کی طرف روانہ ہوُا۔ جب سرحد پر پہنچا وہاں سے طویلا شریف پہنچا اور سید حسام الدین کے دربار میں حاضر ہوُا۔ حضرت حسام الدین بہت مہربانی سے ملے۔ دو دن ان کے پاس رہا۔ انہوں نے بھی احمدی جماعت کے عقائد وغیرہ دریافت کیے لیکن مَیں خاموش رہا۔ کیونکہ خاموش رہنا وہاں ادب کی نشانی ہے۔ بہت دنوں بعد پھر مجھے ایران کی سرحد پر جانے کا حکم ملا۔ تاکہ حدود کو درست کیا جاوے۔ اور ایرانی افسر معز زالسلطان صاحب بھی ایران کی طرف سے افسر مقرر ہوئے۔ ہم دونوں خانقین، بدرہ، بصرہ، محامرہ، قصر شیرین، اصندل، علف جا وغیرہ گئے۔ اس سفر میں انہوں نے اکثر حضرت احمد کی نسبت دریافت کیا اور وہ طہران کو چلے گئے۔ مَیں نے کہا مَیں احمدی تو نہیں لیکن ان کو اور اُن کی جماعت کو پابندِ شریعت جانتا ہوں۔ اور ان احمدیوں میں تکبر کا نام و نشان نہیں ہے۔ بڑے خلیق اور اچھے مسلمان لوگ ہیں۔ میری یہ باتیں سُن کر معز زالسلطان بہت خوش ہوُا۔ اس نے بتایا کہ بعض ایرانی میرے دوست تاجر ہیں جو اکثر ہندوستان میں آتے جاتے ہیں اُن سے مَیں بہت شوق سے حضرت احمد کی نسبت دریافت کرتا رہتا ہوں۔ اس طرح مجھے واقفیت ہو گئی ہے۔ علف جا سے مَیں پھر ایک دفعہ طویلا شریف حضرت حسام الدین کی خدمت میں گیا۔ ایک دفعہ اُن کے دربار میں مجھے ایک افغانی بزرگ جناب سیّد احمد افغانی ملے۔ وہ خوست یا کونڑ کے سادات سے تھے انہوں نے پھر مجھ سے حضرت مرزا صاحب کی نسبت دریافت کیا لیکن مَیں نے خاموشی ہی اختیار کی۔

یہ سیّد افغانی بزرگ تھے۔ رات دن اللہ کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔

ایک معزّز افسر کی احمدیت کے متعلق گفتگو

اس کے بعد میں پنجوین آیا۔ جہاں مَیں مال آفیسر کے مکان میں ٹھہرا۔ اور اُسے ہدایت تھی کہ عراق کے حدود کے متعلق مجھے واقفیت حاصل کرائے۔ یہ پہلے ترکی میجر تھا۔ یہ شخص دورے پر میرے ساتھ جاتا رہا اور شام کو جب کھانا گھر پر کھاتا تو میرے پاس آجاتا اور احمدی جماعت کی بابت دریافت کرتا تھا لیکن مجھے اپنے اگلے خوفناک سفر کی فکر تھی مَیں اُس سے مُلک کی حالت دریافت کرتا رہتا۔ یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب عراق میں بغاوت ہوئی۔ اس شخص کا نام عبدالقادر بے تھا۔ پنجوین سے آگے روانگی پُرخطر تھی لیکن سفر کرنا پڑا اور خاردار علاقوں میں سے ہوتا ہُوا شیوہ کل پہنچا۔ اگلا علاقہ اَور بھی خطرناک تھا۔ توکّل بخدا آگے روانہ ہُوا اور ایک شہر سردشت کو دیکھنے گیا۔ وہاں کسٹم آفیسر کے ہاں ٹھہرا۔ اس کے مکان پر ایک شخص ہمایوں مرزا جو اپنے ملک سے بدر کر دیا گیا تھا ملا۔ یہ شاہونہ قوم کا آدمی تھا۔ اُس نے مجھ سے کئی بار حضرت احمد کی نسبت سوال کیئے لیکن میرے پاس وقت نہیں تھا اس لیئے مَیں واپس آ گیا اور بڑدر پہنچا۔ وہاں کا سردار ابابکر مجھے بہت اچھی طرح لے گیا اور بڑی خاطر تواضع کی۔ وہاں سے مَیں وزنہ پہنچا اور وہاں کے سردار کے پاس ٹھہرا۔ مَیں چند دن کے واسطے شکار کو گیا اور جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا ڈیرا میوہ جات سے بھرا ہُوا ہے اور بہت سے سوار باہر کھڑے ہیں۔ جس دن مَیں شکار کو گیا اسی دن وہ سردار آغا باقر بھی کسی کام کو روانہ ہُوا اب مجھے معلوم ہُوا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔

سیلاط سے پھر ملاقات

میں نے کہا کہ تم جلدی کیوں واپس آ گئے؟ کچھ اور نام تھا سب ملے اور گفتگو میں آپ کا نام میں شریک ہوئے۔ یہ قوم کا خط آپ کے نام دیا اور فوراً ہی پولیٹیکل آفیسر سے اجازت دلوا کر مجھے واپس روانہ کر دیا۔ خط میں انہوں نے اشتیاقِ ملاقات کا اظہار کیا اور مجھے لکھا کہ میں اُن سے آ کر ملوں۔ اُس وقت وہ دوبند ایک جگہ ہے وہاں سے ۱۲ سے ۱۳ منزل کے فاصلے پر تھے۔ خیر میں گیا۔ مزاج پرسی وغیرہ جب ختم ہوئی تو چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ میرے لیئے کیا لائے ہو؟ میں نے کہا کہ نافہ لایا ہوں۔ تو ہنسے اور کہنے لگے کہ حضرت احمد کی کوئی کتاب بھی لائے ہو یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو خواب و خیال بھی نہ تھا کہ آپ سے ملاقات ہوگی۔ پھر کہنے لگے کہ جب ہندوستان رخصت ہو گئے تھے تو احمدی جماعت کے مرکز میں بھی گئے تھے یا نہیں؟ میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد میں وہاں سے روانہ ہو کر کوک سلیمانیہ ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔ عربوں کی بغاوت ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد میری صحت خراب ہونے کی وجہ سے مجھے ہندوستان آنے کی اجازت ہوئی۔

راجپوتانہ میں احمدیت کا ذکر

۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء میں مجھے راجپوتانے میں کام کرنے کا حکم ملا اور ایسے علاقے میں گیا جہاں کوئی انگریز سرویرا بھی تک نہیں گیا اور نہ ہی امید تھی کہ کوئی جا سکے گا۔ پہلے ہم لوگ بارمیڑا اسٹیشن ماروا ڑ پر اُترے۔ وہاں سے جیسلمیر ریاست کے شہر پہنچے۔ سب بندوبست کر کے ریگستان میں داخل ہوئے۔ جگہ جگہ پانی کے چاہات پر لوگ ملتے رہے جو نام کے مسلمان تھے مگر اسلام سے ناواقف لیکن اکثروں نے احمدی جماعت کی نسبت وہاں بھی مجھ سے دریافت کیا۔